عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ

تحقیق و ترتیب
ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (پیرس)

ادارہ اسلامیات
لاہور — کراچی

عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ

تحقیق و ترتیب

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (پیرس)

ادارہ اسلامیات

۱۹۰۔ انارکلی ۔ لاہور

باراول عکسی	:	اکتوبر ۱۹۸۲ء
باہتمام	:	اشرف برادران سلّمہم الرحمٰن
کتابت	:	سید محمد ابراہیم جھنجھالوی
طباعت	:	وفاق پریس۔ لاہور
قیمت	:	کروموکارڈ

ادارہ اسلامیات

پبلشرز۔ بک سیلرز۔ ایکسپورٹرز

★ دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون [illegible]

★ ۱۹۰، انار کلی، لاہور، پاکستان
فون [illegible]

★ ارجن بلڈنگ، موہن روڈ
چوک اردو بازار، کراچی فون [illegible]

ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

دارالاشاعت اردو بازار۔ کراچی

مکتبہ دارالعلوم۔ دارالعلوم کراچی ۱۴

ادارۃ المعارف دارالعلوم کراچی ۱۴

فہرست مضامین

باعثِ تحریر

حالیہ چند صدیوں میں علوم و فنون کی ترقی سے جنگ کے طریقوں اور اصولوں میں اتنا کچھ انقلاب آگیا ہے کہ قدیم زمانے کی لڑائیاں، چاہے اپنے زمانے میں کتنی ہی عہد آفریں کیوں نہ رہی ہوں اب بچوں کا کھیل معلوم ہوتی ہیں۔ آج کل بڑی سلطنتوں کے لئے ایک ایک کروڑ کی فوج کو بیک جنبش قلم حرکت میں لے آنا معمولی بات ہے۔ اسلحے میں اتنی کچھ ترقی ہوگئی ہے کہ قدیم ہتھیار عجائب خانوں میں رکھنے کے سوائے بہت کم کچھ کام آسکتے ہیں۔ ذرائع حمل و نقل بھی اب پہلے سے اتنے بدل گئے اور تیز اور کثیر ہو گئے ہیں کہ مہینوں کا کام گھنٹوں میں ہو جاتا ہے اور انہیں وجوہ سے شاید ایک عام آدمی یہ خیال کرتا ہوگا کہ قدیم زمانے کی جنگوں کا تذکرہ چاہے مؤرخ کے لئے کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو۔ ان کا عملی فائدہ آج کچھ نہیں۔ لیکن انگلستان میں طلباء حربیات کو آج بھی آغاز تعلیم و تربیت پر پہلے ہی دن سُنادیا جاتا ہے کہ :-

It must be understood by all officers that the most important part of their individual training is the work they do by themselves. Military history must unquestionably have the most important place in such study as being the b~~m~~ means of learning the true meaning of the principles of war and their application and of studing the preponderating part which human nature plays in all operations. Military history, as already stated is of great importance in the instruction of officers. It is for this reason that a special campaign on a special period of a campaign, is selected every year for genernal study during the individuol training reason.

"In the study of military history the object should be to drive from the record of the past campaigns lessons applicable to the present. Read with a view to acquire merely knowledge to historicle evens is of little value. The size of modern armies and them improved armaments and means of communi-

cation renou many lessons of the past inappêicalle to the present. But human nature and the underliving principles of war do not change, and it is or this reason that valualle lessons canbe learned from earn the most ancient campaigns." (War office Training Regulations. 1934. P. 9. 23. 23.)

"جملہ افسروں کو یہ جان لینا چاہیئے کہ ان کی انفرادی تربیت کا سب سے اہم جُز وہ کام ہے جسے وہ خود انجام دیں فوجی تاریخ کو بلاشک وشبہ اس قسم کے مطالعہ میں سب سے اہم جگہ ملنی چاہیئے کیونکہ اصول جنگ کے صحیح مفہوم اور ان کے اطلاق کو سمجھنے اور یہ معلوم کرنے کا کہ ہر فوجی کاروائی میں انسانی فطرت ہی سب سے زیادہ مؤثر حصہ لیتی ہے۔ یہی سب سے بہتر ذریعہ ہے ...... جیسا کہ بیان ہُوا افسروں کی تعلیم میں فوجی تاریخ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انفرادی تربیت کے موسم میں ہر سال عام مطالعے کے لئے کوئی خاص فوجی مہم یا کسی مہم کا کوئی خاص دور منتخب کیا جاتا ہے۔"

"فوجی تاریخ کے مطالعے کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ گزشتہ فوجی معرکہ آرائیوں کی یادداشت سے ایسے سبق حاصل کریں۔ جن کا اب اطلاق ہو سکے۔ صرف اس غرض سے پڑھنا کہ محض تاریخی واقعات کا

علم ہو جائے کچھ زیادہ مفید نہیں زمانہ حال کی توجوں کی وسعت اور ان کے ترقی یافتہ اسلحہ اور ذرائع نقل وحمل کے باعث ماضی سے حاصل ہونے والے بہت سے سبق حال پر منطبق نہیں ہو سکتے۔ لیکن انسان کی فطرت اور وہ قواعد جن پر جنگ مبنی ہوتی ہے بدلتے نہیں اور یہی وجہ ہے کہ نہایت قدیم زمانے کی معرکہ آرائیوں سے بھی قیمتی سبق سیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ گزری ہوئی معرکہ آرائیوں کے مطالعہ سے پورا فائدہ اسی وقت اٹھایا جا سکتا ہے۔ جب اس بات کا نہایت احتیاط کے ساتھ پتہ چلایا جائے کہ سپہ سالاروں نے اصول کا کس طرح انطباق کیا اور اس کے کیا نتائج پیدا ہوئے۔

عہد نبویؐ کی جنگیں تاریخ انسانی میں غیر معمولی طور سے ممتاز ہیں اکثر دگنی تگنی اور بعض وقت دس گنی طاقت سے مقابلہ ہوا اور قریب قریب ہمیشہ ہی فتح حاصل ہوئی دوسرے چند محلّوں پر مشتمل ایک شہری مملکت (city state) سے جو آغاز ہوا وہ روزانہ دو سو چوہتر مربع میل کے اوسط سے وسعت اختیار کرتی ہے اور دس سال بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو دس لاکھ سے بھی زیادہ مربع میل کا رقبہ آپؐ کے زیر اقتدار آ چکا تھا۔ اس تقریباً برعظیم ہندوستان و پاکستان کے برابر وسیع علاقے کی فتح میں جس میں یقیناً ملینوں کی آبادی تھی۔ دشمن کے بمشکل ڈیڑھ سو آدمی قتل ہوئے۔ مسلمان فوج کا مشکل سے اس دس سال میں ماہانہ ایک سپاہی شہید ہوتا

رہا۔ انسانی خون کی یہ عزت تاریخ عالم میں بلاخوف تردید بے نظیر ہے۔ پھر ان فتوحات کا دوسرا پہلو قبضے کا استحکام، مفتوحوں کی ذہنیت کی کایا پلٹ اور ان کا مکمل طور پر اپنا لیا جانا اور ایسے افسروں کی تربیت کر جانا کہ آپؐ کی وفات کے پندرہ ؔ ہی سال بعد تین براعظموں ایشیا افریقہ اور یورپ پر پھیلے ہوئے علاقوں پر مدینے کی حکومت کا قائم ہو جانا یہ تمام اور دیگر امور ہمیں عہد نبویؐ کی جنگوں کا مطالعہ کرنے کا غیر معمولی طور سے مشتاق بنا دیتے ہیں۔

عہد نبوی کی جنگیں!!

وجوہ جنگ عام طور سے معلوم ہے کہ ۱۳ ق ھ / ۶۱۰ء میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر مکہ[۱] سے توحید کی دعوت دینی شروع کی چونکہ یہ بلا واایک تو ملک کے عام بت پرستانہ موروثی رسم ورواج کے خلاف تھا، اور دوسرے اس دعوت پر لبیک کہنا اس کے داعی کو اپنا سردار بنالینا تھا جو سرداری کو ایک جونیئر گھرانے میں منتقل کرنے کے مترادف ہونے کے باعث اور تو اور خود رسول اللہ کے خاندان (بنی ہاشم) کے متعدد معمر لوگوں کو سخت ناپسند تھا۔ سینئر گھرانا عملی مخالفت پر اتر آیا تو عوام بھی گھاس پھوس کی طرح ہوا کا ساتھ دینے اور اس کی رو کے رخ جھک جانے پر مجبور رہتے۔

دنیا کی ہر چیز سے منہ موڑ کر تن من دھن سے اس تحریک کو چلانے اور آٹھ دس سال گزر جانے کے باوجود مکے کا چھوٹا سا قصبہ بھی (جیسا

---

[۱] مکے کے سیاسی نظام وغیرہ کے لئے دیکھئے میرا خصوصی مضمون "شہری مملکت مکہ" (معارف اعظم گڑھ۔ جنوری وفروری سنہ ۱۹۴۲ء)

کہ وہ اس وقت تنہا ہمنوا نہ ہو سکا، بلکہ مخالفت سے جان ہی کے لالے پڑ گئے۔ شفیق بیوی اور بزرگ خاندان اور حامی ومحافظ چچا (ابو طالب) کی ایک ساتھ وفات آپؐ کے لئے معمول سے زیادہ دشواریوں کا باعث بنی، کیونکہ نئے بزرگ خاندان چچا (ابولہب) سے شروع ہی سے مخالفت تھی اور اب اس چچا نے بزرگ خاندان بننے پر ابتداً تنبیہہ کی اور پھر صاف صاف "جات باہر" کر دیا۔ مجبوراً آنحضرتؐ کو نئے محافظ ڈھونڈنے پڑے آپؐ کو خیال آیا کہ آپؐ کے ماموؤں (اخوال) کا خاندان بنو عبد یالیل طائف میں بستا ہے۔[۱] آپؐ کے چھوٹے چچا اور ولی رفیق حضرت عباس طائف میں رقمی لین دین کرکے کافی رسوخ رکھتے تھے[۲] یہ مقام مکےؐ سے زیادہ دُور بھی نہ تھا۔ یہ پچاس میل ہوتا ہے۔ آج بھی مکے سے عصر کے بعد پانچ بجے کے قریب گدھے پر سوار ہوں تو آدھی رات کو جبل کرا کے دامن میں پہنچ جاتے ہیں، فجر کو چڑھائی شروع کریں تو قبل ظہر گدھا طائف پہنچا دیتا ہے۔ اونٹ بیس پچیس میل روز طے کرکے طریق الجعرانہ پر دو دن لیتا ہے جدید "طریق السیارہ" کے ستر میل ڈاک کی موٹر لاری تین چار گھنٹوں میں طے کر لیتی ہے، غرض طائف، جو عام اہل مکہؐ کے لئے اس زمانے میں بھی ہر سال گرما میں وہی کشش رکھتا تھا جو اب ہم نتھیا گلی یا مری کے لئے محسوس کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[۱] المنتقیٰ لابی نعیم فصل ۱۲۰ [۲] سیرۃ ابن ہشام ص۲۵

کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اور آپؐ بڑی اُمنگوں کے ساتھ ایک خادم کے ہمراہ وہاں پہنچتے اور وہاں کے رشتہ دار سرداروں میں پرچار کا آغاز کرتے ہیں۔ مکہ چونکہ طائف کے مال کے لیئے نکاسی کی منڈی تھی اور ہر سال گرمیوں میں مکے کے مال دار تاجر طائف آکر اس "ٹورسٹ ٹرافک" کے ذریعے سے وہاں کی آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ بنتے تھے۔ اس لئے طائف کے لئے مشکل تھا کہ مکے کو ناراض کرے۔ پھر یوں بھی توحید کی دعوت طائف میں بھی سیاسی اور مذہبی وجوہ سے وہ تمام مشکلیں رکھتی تھی جو مکے میں تھیں۔

طائف میں آج تک وہ باغات اور مقامات محفوظ ہیں۔ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر کے شریر بچوں اور ان کے پتھراؤ سے تنگ آکر پناہ لی تھی اور بعض فراخ دل باغبانوں نے آپؐ کی میوے سے ضیافت کی تھی۔ یہ شہر پناہ کے باہر جنوب مغربی سمت میں دریائے وج کے کنارے کنارے جائیں تو انگور انجیر وغیرہ کے باغات میں چھوٹی چھوٹی مرمت طلب مسجدوں کی صورت میں ملتے ہیں۔

غرض طائف کا سفر اتنا بے نتیجہ رہا کہ باوجود جان کے خطرے کے آنحضرتؐ مکہ ہی واپس ہونا پسند کرتے ہیں اور اپنے قبیلے سے بے تعلق ہو جانے کے باعث شہر کے باہر ٹھہر کر بعض شناساؤں کی مدد سے شہر کے متعدد فیاض سرداران قبائل سے یکے بعد دیگرے اپنی حفاظت میں لینے کی درخواست کرتے ہیں۔ عام حالتوں میں کوئی عرب کبھی ایسی درخواست کو رد نہیں کرتا، مگر آنحضرتؐ کو اپنی پناہ (جوار) میں لینے

کے لئے اس وقت غیر معمولی کردار کی ضرورت تھی۔ کیونکہ پورا شہر آپؐ کا مخالف تھا اور دو تین آدمیوں کے انکار کے بعد آخر ایسا ایک شخص نکل ہی آیا[1] مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس پناہ دہی کے معاوضے میں یہ اقرار کرنا پڑا کہ شہر میں تبلیغی تقریریں نہیں کی جائیں گی۔

مکے کے باہر تبلیغ پر پابندی نہ تھی اور حج کے زمانے میں مکے سے مشرق میں ڈھائی تین میل پر منا کا اجتماع ایک مشکل ہی لیکن بہرحال کھلا میدانِ عمل تھا۔ چنانچہ طائف سے واپس آتے ہی ذوالحجہ ۱۰ ن میں آپؐ نے منا میں عرب کے شمال وجنوب اور مشرق ومغرب سے آنے والے حجاج کی پندرہ جماعتوں کو یکے بعد دیگرے ٹٹولا[2] اور ایک تو انہیں اپنی تحریک کے اصول اور غرض وغایت سمجھائی اور دوسرے ان سے درخواست کی کہ "مجھے اپنے ملک میں لے چلو اور مجھے اپنی حفاظت میں اس تحریک کو چلانے دو۔ جلدی ہی تم نہ صرف پورے عرب کے سردار ہو جاؤ گے۔ بلکہ قیصر وکسریٰ کے خزانے بھی تمہارے پالوٹوں میں نچھاور ہو جائیں گے[3]" اس بظاہر بڑے بول پر کسی نے مذاق کیا، کسی نے جھڑک دیا، کسی نے قریش کا ڈر بتا کر اخلاق سے معذرت کرلی۔ استقلال کا کیا ٹھکانا ہے کہ

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص۲۷۳

[2] ابن سعد ج۱ ص۱۴۵ ابن ہشام ص۲۸۲ تا ۲۸۴ المنتقیٰ لابی نعیم ورق ۱۰۵ تا ۱۰۷

[3] ابن ہشام۔

[4] ابن ہشام ص۲۷۱

یکے بعد دیگرے پندرہ جماعتوں سے بھی کوشش کی۔ ہر وقت قریش کا ایک خدائی فوج دار ساتھ لگا رہتا اور دُور ہی سے اہل قبیلہ کو لگا بُجھا کر کہہ دیتا کہ اس کو مدد دینا نہ صرف ایک مجنون اور جادوگر کا ساتھ دینا ہے۔ بلکہ ہم قریش سے لڑائی مول لینی ہے۔[1]

منا کے قریب راستے کے دونوں طرف پہاڑوں کی ایک مسلسل دیوار ہے مکے سے جائیں تو حدود منا شروع ہونے کو بمشکل ایک فرلانگ رہتا ہے کہ بائیں ہاتھ پر اس پہاڑی دیوار میں ایک چھوٹا سا خم آتا ہے جو کمان بلکہ نصف دائرے کی شکل کا ہے اور اتنا بڑا کہ لاہور کی جامع مسجد یا حیدرآباد کی مکہ مسجد مع اپنے صحنوں کے اس کے اندر سما سکیں۔ یہ مقام عقبہ[2] کہلاتا ہے اس کے اندر ایک



توضیحی نقشہ عقبہ مع مسجد العشرہ

[1] ابن ہشام

[2] عقبہ اصل میں پہاڑی راستے یا گھاٹی کو کہتے ہیں اور یہ مقام اصل میں "عند العقبہ" (گھاٹی کے پاس) کہلاتا ہے گھاٹی سے منا کا راستہ مراد ہے۔

بہت بڑا کنواں ہے اور اندر آج کل زراعت بھی ہوتی ہے، اور جس مقام پر مشہور بیعت ہائے عقبہ ہوئی تھیں، وہاں ایک کافی بڑی مسجد بھی ہے۔ جس پر گو چھت نہیں ہے۔ لیکن قبلہ رُخ اور منا کی سمت کی بیرونی دیوار پر دو قدیم کوفی کتبے ہیں۔ اسے آج کل مسجد العشرۃ کہتے ہیں اس میں شبہ نہیں کہ یہی مسجد بیعت عقبہ ہے، کیونکہ تاریخ مکہ کے مشہور ماہر تقی الدین الفاسی نے اپنی تاریخ مکہ کے آخری اڈیشن "تحصیل المرام فی اخبار البلد الحرام" (مخطوطہ قرویین فاس) میں لکھا ہے:۔

مسجد البیعۃ...... وھٰذا المسجد بقرب عَقَبَۃِ منًی وبینہ وبین العقبۃ غلوۃٌ او اکثر و ھو علی یسار الذاھب الی منی وعمر فی سنۃ ۱۴۴ ثم ۶۲۹ من قِبَلِ المستنصر العباسی والعمادۃ السابقۃ من قبل المنصور:۔

ترجمہ (مسجد البیعہ...... یہ مسجد منا کی گھاٹی کے قریب ہے اتنا کہ اس کا اور گھاٹی کا فاصلہ پتھر پھینکنے کی زد یا اس سے کچھ زیادہ ہے اور یہ منا کو جانے والے کے بائیں ہاتھ پر ہے یہ مسجد ۱۴۴ھ میں بنی اور پھر ۶۲۹ھ میں مستنصر باللہ عباسی نے تعمیر کی۔ پہلی تعمیر منصور کے زمانے کی ہے۔)

غرض یہ عقبہ ایسا ہے کہ پچیس پچاس آدمی وہاں رہیں تو منا کو جانے والے اسے محسوس بھی نہیں کرتے۔ مدینے کے پانچ چھ آدمیوں سے آنحضرتؐ کی یہیں ملاقات ہوئی۔ یہ واضح نہیں آیا کہ یہ چھوٹی سی

جماعت میں اپنا خیمہ لگا کر مقیم تھی۔ یا کسی وجہ سے اس ملاقات کے وقت اس عقبہ میں آئی ہوئی تھی اس جماعت نے اسلام اور توحید کی دعوت سُنی تو شوق سے گفتگو کی اور ہر طرح امداد کا وعدہ کیا (ابن ہشام ص۲۸۶ و مابعد)

اس جماعت کے ؟ سے اس ذہنی فرق کا باعث معلوم کرنا زیادہ مشکل نہیں۔ اصل میں یہ مدینے والے قبیلۂ خزرج کے لوگ تھے آں حضرتؐ کی والدہ کا اسی قبیلے سے رشتہ[1] تھا۔ چنانچہ اس تقریب سے بچپن میں آنحضرت بھی ایک مرتبہ اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ ہو آئے تھے اور اتنے دن رہے تھے کہ وہاں اچھی طرح تیرنا بھی سیکھ لیا تھا[2]۔ آنحضرت کے چچا اور رفیق حضرت عباس بھی جب کبھی کاروبار کے سلسلے میں شام وغیرہ جاتے یا وہاں سے آتے تو راستے میں ضرور مدینے میں ٹھہرتے اور ان رشتہ داروں سے ملتے[3]۔ ان لوگوں کی مدینے کے بعض یہودی قبائل سے حلیفی اور بعض سے حریفی تھی اور یہ ان یہودیوں سے اکثر سُنا کرتے تھے کہ جب مسیح موعود آئے گا تو ہم اس کی مدد سے اپنے تمام دشمنوں کو مغلوب کر لیں گے[4]۔ نوفل اور عبدالمطلب کے جھگڑے کے

---

[1] ابن ہشام ص۱۰۷ [2] سیرۃ نامی احسنت العلوم فی بئر بنی عدی بن النجد" (میں قبیلہ عدی بن النجار کے کنوئیں میں اچھا تیرنا سیکھ گیا) [3] ابن ہشام ص۲۹۳
[4] ابن ہشام ص۲۸۶

وقت یہ لوگ آنحضرت کے دادا کی فوجی مدد بھی کر چکے تھے[1] اس لئے ممکن ہے کہ اب آنحضرت کے خاندان کی مدد کی وہ توقع رکھتے ہوں۔ بہرحال اُن کی ذاتی صلاحیت کے ساتھ ساتھ ان کے اسلام لانے میں یہ محرکات بھی کام کرتے رہے ہوں گے۔

مدینے میں دو رشتہ دار قبائل اوس و خزرج میں نسلوں سے خونریزیاں ہوتی چلی آ رہی تھیں اور اب دونوں اس قدر تھک گئے تھے کہ کسی بھی قیمت پر باہم دوستی کر لینے پر آمادہ تھے[2]۔ ان کی خودداری اور غیرت و رقابت کے باعث کسی غیر مدنی کے لئے دونوں کا مشترکہ سردار بننے کی زیادہ توقع تھی جب مذکورہ چھ خزرجی مدینہ واپس آئے اور اسلام کا چرچا کیا تو سال بھر بعد حج کے موقع پر اوس اور خزرج دونوں کے دس بارہ آدمی آں حضرت سے ملنے کی ٹھان چکے تھے۔ چنانچہ پھر اسی عُقبہ میں ان کی آں حضرت سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے نہ صرف اسلام قبول کیا بلکہ اپنے اپنے خاندان کے بھی اسلام اور آنحضرت کی اطاعت کا اظہار کیا۔ آنحضرت نے ان سے علاوہ توحید، پاکبازی وغیرہ کے ہر اچھی بات (معروف) میں اپنی اطاعت کا وعدہ لیا[3] اور اس طرح اوس اور خزرج کے بارہ خاندانوں کے مشترکہ سردار بن گئے۔ ایک تربیت

---

[1] طبری تاریخ ص ۱۲۰۳ تا ص ۱۲۰۶ [2] ابن ہشام ص ۲۸۶
[3] ابن ہشام ص ۳۰۵ نیز مسند ابن حنبل ج ۳ ص ۴۶۱

یافتہ مبلّغ مکّے سے ان کے ہمراہ مدینے بھیجا گیا[1] اور اس نے نہ صرف اوس اور خزرج کے متعدد سربرآوردہ لوگوں کو اسلام کا حامی بنایا بلکہ اس بات میں بھی بدقت مگر مکمل کامیابی حاصل کی کہ اوس و خزرج کی باہمی رقابت اس بات میں مانع نہ آئے کہ یہ دونوں گروہ آنحضرتؐ کی مشترکہ سرداری میں تعاون کریں۔

ایک اور سال گزرا اور ۶۲۲ء میں مدینے کے کوئی پانچ سو حجاج میں سے کوئی بہتّر مرد اور عورتیں آنحضرتؐ سے شخصی طور پر اظہار اسلام کرنے اور آپؐ کو مدینہ مدعو کرنے کے لئے آئیں۔ ابھی تک اسلام وہاں اقلیت کا مذہب تھا اور نہ اکثریت قریش سے دوستی بڑھانے کی فکر میں تھی۔ لو دس بجے رات کا عمل تھا کہ یہ بہتّر[2] لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں چپکے چپکے اپنے پڑاؤ سے نکل کر عقبہ میں جمع ہوتے گئے اور آنحضرت بھی مقررہ وقت پر اپنے چچا حضرت عباسؓ کے ساتھ وہاں آگئے۔ آنحضرت نے تفصیل کے ساتھ اپنی تحریک کے اغراض و مقاصد سمجھائے۔ انہوں نے آمنا وصدقنا کہا اور آنحضرتؐ اور دیگر مکّی مسلمانوں[1] کو مدینہ چلے آنے کی دعوت دی اور یقین دلایا کہ مدینہ آئیں تو "ہم آپؐ کی ایسی ہی مدد اور حفاظت کریں گے۔ جیسی کوئی اپنی اور اپنے بال بچوں کی کرتا ہے" جب انہیں واضح کیا گیا

---

[1] ابن ہشام ص ۲۸۹

[2] تفسیر طبری ج ۹ ص ۱۶۳

کہ شاید انہیں خدا کی ساری خدائی سے لڑائی کرنی پڑے، تو بھی وہ پیچھے نہ ہٹے اور یقین دلایا کہ ہم اپنی بات سے کبھی نہیں پلٹیں گے۔ آنحضرتؐ نے سب سے ہاتھ ملایا اور کہا میں بھی اب تمہارا ہوں تمہاری جنگ میری جنگ ہوگی اور تمہاری صلح میری صلح[1]

یہ وہ مشہور بیعتِ عقبہ ہے جس نے اسلام کی سیاسی زندگی کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اور ظاہر ہے کہ جب قریش کو اس کی اطلاع ہوئی تو سخت چین بہ جبین ہوئے اور اسے براہ راست اپنے خلاف جتھا بندی خیال کیا جب انہوں نے آنحضرتؐ کے قتل کا ارادہ کیا تو یہ تمام دوستی یا رواداری کا اختتام اور کھلا اعلانِ جنگ تھا۔

آنحضرتؐ نے پہلے اپنے ساتھیوں اور مکے کے عام مسلمانوں کو مدینے بھیج دیا۔ اور تین ہی ماہ بعد عین اس وقت جب آپؐ کی جان کے خلاف ایک سخت خطرناک اور زبردست سازش کی گئی تھی[2] مکے سے نکلے غار ثور میں چھپتے عام راستے سے بچتے اور پہاڑوں اور وادیوں سے ہوتے ہوئے مدینے کی جنوبی آبادی قبا پہنچتے ہیں۔ مکے سے آپؐ کے لاپتہ ہونے کی خبر مدینہ پہنچ گئی تھی اور سب سمجھ گئے تھے کہ آپؐ مدینہ آرہے ہیں۔ بڑی بیتابیوں اور انتظار کشیوں کے بعد ایک دن دوپہر کے قریب دو اونٹوں کا ایک مختصر قافلہ جس میں آنحضرتؐ اور آپؐ کے یار غار حضرت ابوبکر صدیقؓ

---

[1] ابن ہشام ص ۲۹۷ [2] ابن ہشام ص ۳۲۳ و مابعدہ :- ❊ ❊ ❊ ❊

اور ایک غلام اور ایک رہبر تھا قبا پہنچا۔ دُور سے نظر پڑتے ہی منٹوں میں اُوس اور خزرج کے تمام مرد ہتھیاروں سے سج کر اپنی بستی سے ایک یا ڈیڑھ فرلانگ بڑھ کر ثنیۃ الوداع کی ٹیکری پر اعزازی دستے کے طور پر راستے کے دونوں طرف جمع ہو گئے لڑکیاں دف بجانے لگیں اور لڑکوں کے ساتھ یہ استقبالی گیت گانے لگیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا — مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاع

وجب الشکر علینا — ما دعا لِلّٰہِ داع

أیها المبعوث فینا — جئت بالأمرِ المطاع — تاریخ ذہبی

ترجمہ :- (۱) چودھویں رات کا چاند ہم پر ثنیۃ الوداع سے طلوع ہوا (۲) ہم پر اس وقت تک شکر واجب ہے۔ جب تک کہ کوئی عابد خدا کی عبادت کرتا رہے (۳) اے وہ جسے ہمارے پاس بھیجا گیا ہے، تو ایسی چیز لایا ہے جس کی اطاعت کی جائے گی۔)

بعض عرب مؤرخ لکھتے ہیں کہ مدینہ آتے وقت راستے میں بریدۃ الاسلمی نے اپنے کئی درجن ساتھیوں کے ساتھ آں حضرتؐ سے ملاقات کی اور جھنڈے اڑاتے ہوئے ہم رکاب ہو کر محافظ دستے کا فریضہ انجام دیا[1] لیکن حیرت ہے کہ مدینہ (قبا) پہنچنے کی جتنی تفصیلیں ملتی ہیں ان میں اس اعزازی محافظ دستے کی ہمراہی کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ یا تو آں حضرتؐ نے انہیں تھوڑی دُور ساتھ رکھ کر رخصت کر دیا ہوگا۔ یا یہ قبا میں ملے ہوں گے اور قبا سے مدینہ

---

[1] سیرۃ شامی از زبیر بکار

بہانے وقت ساتھ گئے ہوں گے۔ ادھر قریش آنحضرت کے بچ نکلنے پر سخت جھنجلائے اور کچھ نہ سوجھا تو آپ کی اور دیگر مہاجرین کی جائیدادیں ضبط کرلیں (صحیح بخاری کتاب ۶۴ باب ۴۸ حدیث ۳ سیرۃ ابن ہشام ص۲۲۱، ۲۲، ۳۳۹) اور باقی غریب مسلمانوں کو زیادہ ستانے لگے۔ آنحضرت[1] کا ضبط شدہ مکان وہ تھا۔ جو آپ کو بی بی خدیجہؓ سے وراثت میں ملا تھا (مبسوط سرخسی ۲/۵۲)

اب عمل کا اصل کٹھن وقت آیا۔ آنحضرت نے ایک طرف مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ میں بھائی چارہ قائم کرا کے بے گھروں کو ٹھکانہ مہیا کیا[2] اور اصول یہ قرار دیا کہ جس مہاجر اور انصاری میں بھائی چارہ ہو وہ باہم وارث بھی ہوں[3] اور مل کر رہیں۔ پھر اپنے اور اپنے جملہ متبعین کے حقوق و فرائض مرتب کرکے ان کو تحریری کی صورت دی[4] اس کے بعد مدینے میں رہنے والے یہودی قبائل سے بھی جنگی اور سیاسی حلیفی کی اور انہیں بھی اس پر آمادہ کیا کہ وہ آپؐ کو اپنا مشترکہ حاکم مانیں[5] مدنی عربوں کی طرح مدنی یہودیوں میں بھی دو رقیب و حریف پارٹیاں تھیں اور آنحضرت کی مشترکہ سرداری ان میں امن

---

[1] ابن ہشام ص۳۹۲ [2] دیکھو کسی تفسیر میں آیت "اولوالارحام" (۸: ۷۵)

[3] ابن ہشام ص۳۴۱ تا ۳۴۴ نیز مجلہ طیلسانین ۱۹۳۹ء "دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور مملکت" نیز کتاب الاموال (لابی عبید) [4] ابن ہشام ص۳۴۱ تا ۳۴۴ نیز مجلہ طیلسانین ۱۹۳۹ء دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور مملکت۔

قائم کرنے کا باعث ہوئے انہیں ناگوار بھی نہ تھی۔ یہودیوں کے یہ معاہدے بھی تحریر میں آئے اور ان تمام دستاویزات نے ایک مشترکہ "صحیفہ" کی صورت اختیار کی جسے "شہری مملکتِ مدینہ کا دستور" کہنا (جیسا کہ ڈلیہاوزن نے کہا ہے) بیجا نہیں۔ خوش قسمتی سے اس دنیا کے سب سے پہلے تحریری دستور کو تاریخ نے لفظاً یہ لفظ محفوظ رکھا ہے[ل] اس دستور کے ذریعے سے شہر مدینہ ایک حرم اور ایک سیاسی وحدت یا ایک شہری مملکت قرار دیا گیا۔

اصطلاح "حرم" کے سلسلے میں شاید یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ یہ ایک نیم مذہبی نیم سیاسی مفہوم رکھتی ہے اور اس کا رواج اسلام کے پہلے ہی سے نہ صرف عرب کے مختلف مقامات پر بلکہ فلسطین اور یونان وغیرہ میں ملتا ہے۔ اس کا مذہبی مفہوم یہ تھا کہ وہاں کی ہر چیز کو ایک تقدس حاصل رہے، وہاں کے چرند و پرند کا شکار نہ کیا جائے، وہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں اور وہاں خونریزی نہ کی جائے اور وہاں آنے والوں کو دورانِ قیام میں امن اور پناہ میں سمجھا جائے خواہ وہ مجرم ہی کیوں نہ ہوں۔ حرم کا سیاسی مفہوم یہ تھا کہ وہ اس شہری مملکت کے حدود کا تعین کرتا تھا (میں نے ایک مستقل مقالے میں تفصیل سے شہری مملکت مکہ کے سیاسی نظام پر

ل Well haven Gemeindeordnung von Medina

ل بحوالہ بالا۔ جملہ دیگر حوالے مجلہ طیلسانین کے مذکورہ بالا مضمون میں ہیں۔ رسالہ برہان دہلی ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۰ء میں بھی اس پر تفصیلی بحث آئی ہے۔

جو زمانۂ جاہلیت میں تھا، بحث کی ہے[1]) مکے کے حدودِ حرم، کہتے ہیں کہ عہد ابراہیمی سے چلے آتے ہیں۔ بہرحال زمانۂ جاہلیت میں ان کا پتہ چلتا ہے اور فتح مکہ پر ۸ھ میں آنحضرت نے ان علامات سرحد کی تجدید بھی کرائی تھی[2] جس کی حسب ضرورت اب تک برابر تجدید ہوتی چلی آرہی ہے۔

زیر ذکر دستور مملکت مدینہ میں مدینے کو بھی ایک حرم قرار دیا گیا ہے۔ ۹ھ میں طائف نے اطاعت کی تو طائف کو بھی حرم تسلیم کیا گیا، جیسا کہ اس کے معاہدے میں[3] صراحت اور تفصیل سے لکھا ہوا ملتا ہے) لیکن یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا مدینے میں بھی حدودِ حرم مقرر کئے گئے۔ صحیح بخاری[4] میں اتنا ذکر ہے۔ کہ آنحضرت نے ایک صحابی کو روانہ کیا تھا "تاکہ حرم مدینہ کے حدود پر ستون نصب کریں۔ عام تاریخیں اور کتبِ حدیث میں حرم مدینہ "ما بین ثور و عَیر" بیان کیا گیا ہے[5] ان سنگلاخ میدانوں کو کہتے ہیں جہاں آتش فشاں پہاڑوں سے نکلا ہوا لاوا پتھروں کی صورت میں پھیلا ہوا ہو۔ اور "حرہ" اس میدان کو کہتے ہیں جہاں کے پتھر لاوے سے جل گئے ہوں۔ مدینہ منورہ کے سلسلے میں کبھی ایک لفظ آتا ہے کبھی دوسرا لفظ،

---

[1] رسالہ اسلامک کلچر ۱۹۳۵ء معارف اعظم گڑھ ۱۹۴۲ء [2] مرآۃ الحرمین جلد اول برموقع [3] ابو عبید کی کتاب الاموال ۵۰۶ میں معاہدے کا پورا متن ہے [4] صحیح بخاری برموقع [5] المطری (التعریف بما السنت الہجرۃ من معالم دار الہجرۃ) برموقع نیز بخاری جہاد ۷۲، وفضائل المدینہ وغیرہ (بخاری میں عیر کی جگہ عاتر بھی لکھا ہے)

ایسے میدان شہر مدینہ کے مشرق اور مغرب دونوں طرف شمالاً جنوباً ملتے ہیں۔ ثور ایک پہاڑ ہے جو مدینے کے شمال میں جبلِ اُحد سے بھی کچھ پرے واقع ہے، اور جبلِ عیر مدینے کے جنوب میں ایک بڑا پہاڑ ہے۔ المَطری نے (جن کی وفات آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں ہوئی) شہر مدینے کی جو نہایت اہم تاریخ (التعریف بما انست الھجرۃ من معالم دار الھجرۃ) لکھی ہے اور جو جملہ متاخرین کا ماخذ ہے اُس میں خوش قسمتی سے اس کی مزید تفصیل ملتی ہے، جو یہ ہے:۔

"عن کعب بن مالک قال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلم علی أشراف حرم المدینہ فأعلمت علی أشراف ذات الجیش وعلی مشیرب وعلی أشراف مخیض وعلی الحفیا و علی ذی العشیرۃ وعلی تیم۔ فامّا ذات الجیش فنقب ثنیۃ الحفیرۃ من طریق مکۃ والمدینۃ واما مشیرب فما بین جبال فی شامی ذات الجیش، بینھا و بین خلائق الضبوعۃ واما أشراف مخیض فجبال مخیض من طریق الشام واما الحفیاء فبالغابۃ من شامی المدینۃ واما ذو العشیرۃ فنقب فی الحفیاء واما تیم فجبل فی شرقی المدینۃ وذالک کلہ یشبہ ان یکون برید الی برید.... ذات الجیش فی وسط البیداء والبیداء ھی التی اذا دخل الحجاج بعد الاحرام من ذی الحلیفۃ استقبلوھا مصعدین الی جھۃ الغرب۔"

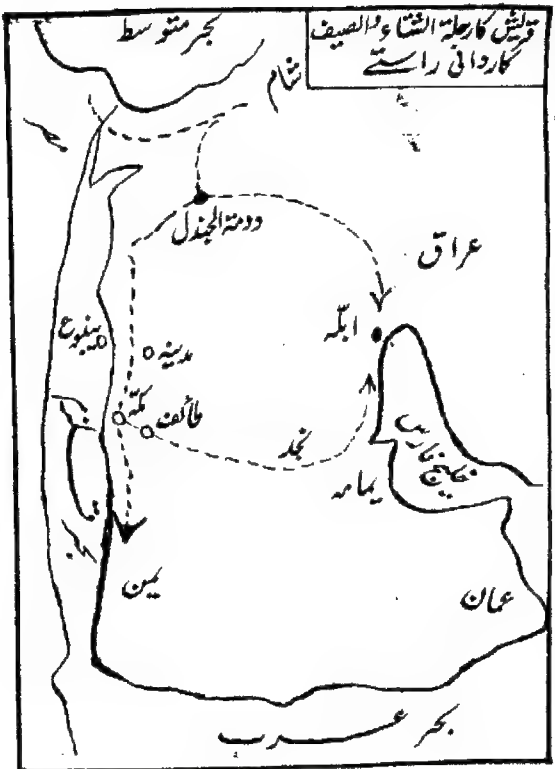
(ترجمہ) کعب بن مالک سے مروی ہے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا کہ حرم مدینہ کی بلندیوں پر علَم (یا منارے) تعمیر کروں۔ چنانچہ میں نے ذات الجیش کے ٹیلوں پر علم تعمیر کئے اور مشیرب پر اور مخیض کے ٹیلوں پر اور حفیاً پر اور ذی العشیرہ پر اور تیم پر۔ ذات الجیش تو حفیرہ کی پہاڑی کے کنارے ہے جو مکے اور مدینے کے راستے پر ہے مشیرب تو ذات الجیش کے شمال میں پہاڑوں میں ہے اور اس کے اور خلائق کے مابین ضبوعہ واقع ہے۔ مخیض کے ٹیلے تو شام کے راستے میں مخیض کے پہاڑوں میں ہیں۔ حفیا تو غابہ (جنگل) میں ہے جو مدینہ کے شمال میں ہے ذوالعشیرہ تو حفیاء کے کنارے ہے اور تیم ایک پہاڑ ہے جو مدینے کے مشرق میں ہے۔

یہ سب تقریباً ایک منزل طویل اور ایک منزل عریض ہوتا ہے ... . ذات الجیش تو بیداء کے وسط میں ہے، اور بیداء وہ مقام ہے کہ حاجی احرام باندھ کر ذوالحلیفہ سے آگے بڑھیں تو بلندی پر چڑھتے وقت مغرب کی جانب اس مقام میں داخل ہوتے ہیں۔

مدینہ منورہ کے مشہور سیاح اور وہاں کے کتب خانہ شیخ الاسلام عارف حکمت لے کے مہتمم ابراہیم حمدی قرپوطلی کا مجھ سے بیان تھا کہ مدینے کے مشرق میں ان حدودِ حرم کے کھنڈرات تک موجود ہیں اور پائے سے

کوئی ہاتھ بھر اونچے باقی ہیں۔ چوں کہ عہد نبویؐ کے بعد ان حدودِ حرم مدینہ کی تجدید کا کہیں پتہ نہیں چلتا اس لئے جبل تیم کے یہ آثار خاص عہد نبویؐ کی متبرک تعمیر معلوم ہوتے ہیں۔

اس ایک حد تک غیر متعلق بحث کے بعد، جیسا کہ بیان کیا گیا، مدینہ آنے پر آنحضرتؐ کا پہلا کام ایک شہری مملکت کی بنیاد ڈالنا تھا۔ اِدھر سے فراغت ہوئی تو آنحضرتؐ نے آس پاس کے علاقے پر توجہ مبذول کی۔ عرب کے نقشے پر نظر ڈالیں تو واضح ہوتا ہے کہ مکے والے خشکی



کی راہ اگر شام یا مصر جانا چاہتے تو مدینے کے قریب سے ساحل کے کنارے کنارے گزرنا پڑتا ہے اگر مدینے سے ینبوع تک بسنے والے قبائل اور آبادیوں کو ہمنوا کر لیا جائے تو مکے والوں کے قافلے کا ادھر سے گزرنا بڑی آسانی سے خطرناک کر دیا جا سکتا ہے ان قبائل سے انصار کی پہلے ہی سے حلیفی تھی۔ اب آنحضرت نے اس کی تجدید کی اور اس میں جنگی امداد کی دفعہ بھی بڑھائی[1] اس تنظیم اور خاموش تیاری میں کئی مہینے لگ گئے۔ اس کے بعد مدینے سے چھوٹی چھوٹی جماعتیں بھیج کر قریشی کاروالوں کو ہراساں کیا جانے[2] اور ان کو یہ بتایا جانے لگا کہ اب انہیں اس اسلام کے زیر اثر علاقے سے گزرنا ہے تو سردار مدینہ کی اجازت ضروری ہے۔ قریش نے زور دکھانا اور قوت کے ذریعے سے اپنا راستہ بنانا چاہا۔ اسی کش مکش نے ان خونریزیوں اور لڑائیوں کی صورت اختیار کی جن کے ایک خاص پہلو "یعنی میدان ہائے جنگ" پر آج یہاں روشنی ڈالنی مقصود ہے۔

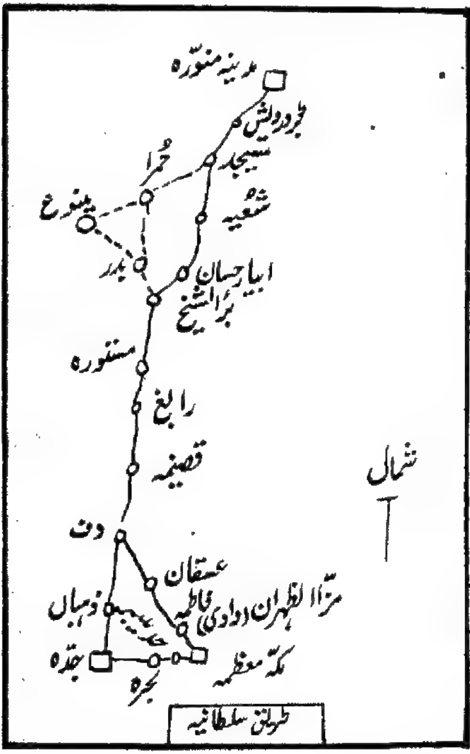
---

[1] ابن ہشام ابن سعد وغیرہ میں یہ معاہدات ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب مطبوعہ مصر ۱۹۴۰ء الوثائق السیاسیہ [2] ابن سعد ج ا ق ا ص ۲ تا ۷

بَدَر

محل وقوع چوں کہ حجاز یعنی عرب کے مغربی علاقے میں پہاڑیاں ہی پہاڑیاں ہیں اس لئے وادیاں گھاٹیاں ہی آنے جانے کا راستہ ہیں کاروانی راستہ عموماً چوڑی وادیوں سے گزرتا ہے گھاٹیوں کا راستہ زیادہ دشوار گزار ہے۔ غرض کسی جگہ جانے کے لئے یہاں ایک سے زیادہ راستے ہوتے ہیں۔ یہی حال بدر کا ہے۔ عہد نبوی اور اس سے پہلے سکے، مدینے اور بدر کا راستہ جن مقاموں یا منزلوں سے گزرتا تھا۔ وہ اب بڑی حد تک بدل گیا ہے کیوں کہ جب سے اسلام آیا اور حج کو جانے والے ہزاروں سے گزر کر لاکھوں ہونے لگے اور ابھی پہلی جنگ عظیم سے پہلے دس دس پندرہ پندرہ ہزار اونٹوں کے قافلے معمولی بات تھی۔ تو لازمی طور پر پانی اور پڑاؤ کی ضرورتوں نے بعض منزلوں کو بدلنے پر مجبور کیا اور ترکی زمانے کا "طریق سلطانیہ" وجود میں آیا آجکل یہی اختیار کیا جاتا ہے۔ سعودی دور میں موٹریں بھی آگئی ہیں۔ ان کے راستے کی ضرورتیں اور ہی ہیں۔ اسی طرح سفر صلح حدیبیہ کا راستہ الگ تھا۔ غزوہ فتح مکہ میں قریش کو خبر نہ ہونے دینے کے لئے ایک بالکل اور ہی راستہ اختیار کیا گیا تھا اور سفر حجۃ الوداع کا ایک اور جن کی تفصیلیں ابن ہشام وغیرہ میں ملتی ہیں۔

بدر کو اب تک موٹر نہیں جا سکتی ہے، کیونکہ راستہ میں کئی جگہ بلند گھاٹیاں ہیں اور بہت نرم ریت ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خاص انتظام کے بغیر مکے اور مدینے کے مابین اونٹوں کے سفر پر بھی بدر پر سے نہیں گزر سکتے۔



مدینے سے آنے والے مسیجید[1] پر طریق سلطانیہ چھوڑ دیتے ہیں اور قصبۂ خیف سے گزر کر حمراء میں منزل کرتے ہیں پھر قصبۂ حصکفیہ سے گزر کر بدر پہنچتے ہیں اس کے برخلاف مکے سے جانے والے بر الشیخ پر سے کسی قدر آگے درب الہجرہ پر طریق سلطانیہ چھوڑتے ہیں۔ اور صبح نکلیں

---

[1] اس مقام پر چند سال ہوئے مسلمانان حیدرآباد کے چندے سے نواب نظامت جنگ نے چند کمرے تعمیر کرائے ہیں جو سرائے کا کام دیتے ہیں۔

تو شام تک بدر پہنچ جاتے ہیں۔ بدر سے مدینے تک کا راستہ بہت سرسبز ہے میلوں لمبے نخلستان ملتے ہیں، راستے میں خاص کر بدر و حمراء کے مابین گھنے جنگل بھی ہیں، پانی بھی میٹھا ہے، اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے گلے بھی ہر جگہ چرتے نظر آتے ہیں۔

موجودہ شہر بدر :۔ شہر بدر کی تاریخ سے یہاں بحث نہیں ہے آج کل یہ ایک بہت بڑا گاؤں ہے۔ کئی سوختہ مکان پتھر کے بنے ہوئے ہیں جن کو مقامی اصطلاح میں قصر (جمع قصور) کہتے ہیں۔ شہر میں دو مسجدیں ہیں۔ ایک پنج وقتہ نماز کے لئے ہے۔ جس میں ایک منارہ یا اذان دینے کا "ماذنہ" بھی ہے۔ دوسری مسجد جسے مسجد غمامہ اور مسجد عریش بھی کہتے ہیں، یہاں کی جامع مسجد ہے۔ کیونکہ اس جگہ تعمیر ہوئی ہے جہاں غزوۂ بدر کے موقع پر جناب رسالت مآب کے لئے عریش یا جھونپڑی تیار کی گئی تھی۔ یہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر واقع ہے۔ جہاں سے میدانِ جنگ کو دیکھ سکتے ہوں گے۔ مگر آج کل باغوں اور کھجور کی اونچی پیڑوں کی وجہ سے وہاں سے بدر کا معرکہ کارزار نہیں دیکھ سکتے[1] پانی کا چشمہ جو زمین دوز نہر کی صورت میں ہے، ان ہر دو مسجدوں کے صحن میں سے گزرتا اور وضو کے حوضوں کا کام دیتا ہے۔ آبادی

---

[1] شامی کے الفاظ ہیں "تل مشرف علی المعرکۃ"

سے ملا ہوا دور تک کئی میل کے رقبے پر پھیلا ہوا نخلستان کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ جس میں کچھ ترکاری کی بھی کاشت ہوتی ہے۔ ہر جمعہ کو یہاں ایک بازار لگتا ہے جس میں دُور دُور سے بدو آتے اور خرید و فروخت یا تبادلۂ اشیاء کرتے ہیں۔ بدو عموماً گھی، کھالیں، روغن بلیساں، اونٹ، بکریاں اور اونی کملیں یا عبائیں فروخت کے لئے لاتے ہیں قبل اسلام بدر میں سالانہ ہفتہ بھر ایک بڑا میلا لگتا تھا[1] اور غالباً یہاں ایک بڑا بت خانہ بھی تھا۔ اس کے آثار تو اب نہیں ہیں لیکن براہ الشیخ سے بدر کو جائیں تو بدر کے قریب، کوئی میل بھر پہلے، سڑک کے قریب ایک عجیب شکل کی چٹان ملتی ہے۔ جو بالکل بیٹھے ہوئے اونٹ کی طرح نظر آتی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں عرب ہر ایسی چیز کی پوجا شروع کر دیتے تھے۔ کوئی تعجب نہیں جو یہ بھی ایک بُت رہا ہو۔

بدر ایک بیضوی شکل کا میدان ہے۔ کوئی ساڑھے پانچ میل لمبا اور تقریباً چار میل چوڑا، اطراف بلند پہاڑ ہیں۔ مکہ، شام اور مدینہ جانے کے راستے جو وادیوں میں سے گزرتے ہیں یہیں ملتے ہیں۔ ترکی دور میں شریف عبدالمطلب نے اس میدان میں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا تھا۔ اب وہ لوٹ پھوٹ گیا ہے۔ یہ میدان سنگلاخ یا ریتلا ہے۔ مگر جنوب مغربی حصّے کی زمین نرم ہے۔ جنگ بدر کے[2] دن بارش ہوئی تھی تو یہ مقام، جہاں قریش کا پڑاؤ تھا، دلدل بن گیا تھا۔ مگر اب یہاں

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۱۳۰، صفحہ ۱۲۶۰ [2] ابن ہشام صفحہ ۴۳۹

ایک سرسبز نخلستان ہے۔

بدر کے اطراف جو پہاڑ ہیں اُن کے مختلف حصّوں کے نام مختلف ہیں۔ ان میں دُور دُور سے سفید ریت کے تودے نظر آتے ہیں۔ آج بھی ان سفید پہاڑیوں میں سے سفید کا نام العُدوۃ الدُّنیا اور دوسری کا العدوۃ القُصویٰ ہے۔ ان دونوں کے درمیان جو بہت اُونچا پہاڑ ہے۔ اسے اب جبل اَسفل کہتے ہیں۔ کیوں کہ اس کے پیچھے دس بارہ میل پر سمندر ہے اور ابو سفیان کا قافلہ راستہ کترا کر ساحل کے کنارے سے گزر گیا تھا تو قرآن میں اس کا ذکر وَالرَّکبُ اَسفَلَ مِنکُم (کاروان تم سے نیچے تھا) کے الفاظ میں کیا گیا ہے۔ بدر سے سمندر کی مسافت کے متعلق واقدی[1] نے ھی من الساحل علی لبعض نہا" (وہ ساحل سے دن کے کچھ حصّے پر واقع ہے) لکھا ہے جو چاہے موٹر کے لئے صحیح ہو لیکن اونٹ پر سفر کے لئے یقیناً ممکن نہیں، واقدی نے محض قیاس کیا ہوگا۔ بجز اس کے کہ اب سمندر ہٹ گیا ہو۔

جنگ بدر کی چند تفصیلیں

ایک طرف تو قریش کا مسلمانوں پر مظالم توڑ کر انہیں جلا وطنی پر مجبور کرنا، جلا وطنی پر اُن کی جائیدادوں کو ضبط کر لینا[2] اور اُن کے نئے مسکن

---

[1] کتاب المغازی مخطوطہ برٹش میوزیم ورق (۳۰ ب)

[2] صحیح بخاری کتاب ۶۴ باب ۸۹ حدیث ۳ نیز ابن ہشام ۲/۱ تا ۲۲ نیز ۴۳۹ بطور صنا ۵۴

(حبشہ اور پھر مدینے) میں وہاں کے حکمرانوں اور بااثر لوگوں کو ان تارکین کو پناہ نہ دینے کی ترغیب[1] دینا دوسری طرف ان ناانصافیوں کا بدلہ لینے کے لئے مدینہ سے مسلمانوں کا قریش پر معاشی دباؤ ڈالنا اور بزور قریشی قافلوں کی آمدورفت کو اپنے زیر اثر علاقے میں روک دینا۔ یہی بدر کی لڑائی کا باعث ہو سکتے ہیں۔

قریشی قافلوں کو لوٹ، ڈاکہ اس وقت سمجھا جائے یہ بے قصور ہوں اور لوٹنے والے حکومت نہیں بلکہ خانگی افراد ہوں۔ ورنہ دو سلطنتوں میں کشیدگی پر نہ صرف جان و مال و آبرو کے خلاف بھی ہر فریق دوسرے کو نقصان پہنچانے کا پورا حق رکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے۔ میں ان لوگوں سے متفق نہیں ہوں جو قریشی قافلوں کو لوٹنے کے لئے بھیجی ہوئی مہموں کے وجود ہی سے انکار کرتے ہیں۔ شبلی مرحوم[2] نے "کانما یساقون الی الموت"[3] کی آیت سے استدلال کر کے کم از کم جنگ بدر کی حد تک اپنی رائے کو مستحکم کر لیا ہے کہ آنحضرت قافلے کو روکنے کے لئے نہیں بلکہ قریشی امدادی دستے

1۔ تاریخ طبری ص ۱۶۰۳، سیرۃ ابن ہشام ص ۱۶۷ تا ۱۷۱، مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۱۹۸

2۔ سیرۃ النبی جلد اوّل احوال جنگ بدر

3۔ گویا انہیں موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہو۔

سے مقابلے کے لئے نکلے تھے۔ لیکن " اِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّائِفَتَیْنِ اَنَّہَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ [1] کی صریح آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینے سے چلتے وقت مسلمانوں کو یقین نہ تھا کہ آیا وہ قافلے سے ملیں گے یا امدادی دستے سے مڈبھیڑ ہوگی۔ دونوں امکانات تھے چونکہ قریشی قافلہ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل اور پانچ لاکھ درہم کا اسباب لیکر آرہا تھا۔[2] اس لئے مدینہ والوں کو یقین تھا کہ اس مدد اور حفاظت کے لئے قریش اپنے تمام حلیفوں کی مدد سے ہزاروں آدمیوں کے ساتھ مقابلہ اور کشمکش کریں گے۔ مدینے سے زیادہ دُور، مکّے کی سمت جانا بہتوں کے لئے "موت کے منہ میں جانا" معلوم ہوتا تھا۔

اس شام سے آنے والے قافلے کو مسلمان مدینے کے شمال یا مغرب میں روک سکتے تھے لیکن شام سے اس کے نکلنے کی اطلاع موجودہ زمانہ نہیں کہ تار پر اُسی دن مل جائے۔ اونٹوں کے قافلے کی اطلاع اونٹ سوار ہی دے سکتے تھے اور بمشکل دُو ایک دن اوّل مدینے سے ساحل کو سیدھا جانے میں دُو تین دن ضرور لگ جاتے ہیں ایک

---

[1] جب اللہ تم سے دو میں سے ایک گروہ کا وعدہ کر رہا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ پڑیگا اور تمہاری تمنا یہ تھی کہ کمزور گروہ تمہیں ملے۔

[2] مغازی واقدی (م)

بڑا تجارتی قافلہ بے شبہ آہستہ آہستہ منزل بہ منزل ہی کہا جا سکتا ہے اور یلغار کرنیوالی فوج خاص کر دشوار گزار گھاٹیوں کی مدد سے تیز تر جا سکتی ہے۔ بدر ایسا مقام تھا جو ساحل سے بھی قریب بڑا مقام ہونے کی وجہ سے قافلے وہیں سے گزرتے تھے[۱] مدینے اور مکے کے راستے کا قریب ترین اتصال بھی وہیں ہوتا تھا اور اس کی توقع کی جا سکتی ہے کہ وہاں مسلمان اس قافلے کو جا لیں گے۔ سیدھے مغرب کی سمت ساحل کو جائیں تو قافلہ گزر چکا اور ہوا بھی یہی۔ یعنی آنحضرتؐ ابوسفیان سے بمشکل چند گھنٹے قبل بدر پہنچتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ غیر معروف راستوں سے چکر لگا کر جانا تھا۔ تاکہ حریف کو خبر نہ لگے۔ آنحضرتؐ راستے میں بھی ٹوہ لیتے گئے اور بدر کے قریب پہنچ کر متعدد سانڈنی سوار بھیجے[۲] تاکہ اس کا پتہ چلائیں کہ قافلہ کہاں ہے جو سانڈنی سوار شمال مغرب میں شام کے راستے پر بھیجے گئے تھے، انہوں نے واپس آکر غالباً آنحضرتؐ کو اطلاع دی ہوگی کہ قافلہ اب آیا ہی چاہتا ہے[۳] اور اس اطلاع پر یہ گمان کرکے کہ قافلہ بدر میں سے گزرے گا آنحضرتؐ عین راستے پر وادی کے دہانے کے پاس پڑاؤ ڈالتے ہیں۔ یہ سفر پوری تنظیم سے ہوا تھا، مدینے میں ایک نائب کو چھوڑا گیا تھا۔ فوج میں انصار اور مہاجرین کے الگ الگ جھنڈے بھی تھے۔

۱؎ طبری ص۱۲۸۶ ۲؎ طبری ص۱۳۰۲ ۳؎ ایضاً نیز ص۱۲۹۹ (ص۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴ دو بدری لڑکیوں کی گفتگو تاریخ آمد پر (طبری ص۱۳۰۵)

فوج کے مختلف حصے بھی تھے۔ ساقہ یعنی پیچھے کے اہم دستے پر قیس المازنی (الانصاری) کو مامور کیا گیا تھا[1]

قافلے کو اطلاع مل گئی تھی کہ خود شام کو جاتے وقت مسلمانوں نے اس کا تعاقب کیا تھا[2] اس سے پہلے چھ سات اور قریشی قافلوں کو یہی تجربہ ہو چکا تھا اسی لئے قافلہ چوکنا تھا۔ قافلے عموماً رات کو چلتے ہیں اور صبح کے قریب منزل پر پہنچ کر آرام کرتے ہیں۔ بدر کی خطرناک گھاٹی سے قریش واقف تھے۔ اسی لئے بدر پہنچنے سے کافی مسافت پہلے (اور شامی[3] کے مطابق الحنین کے موڑ پر) قافلہ رک جاتا ہے اور قافلہ سالار (ابوسفیان) ٹوہ لینے نکلتا ہے ابھی آنحضرت میدان بدر کے اندر نہیں آئے تھے۔ لیکن ان چھوٹے مقاموں پر ایک بھی اجنبی گذرے تو ہر شخص اس سے واقف ہو جاتا ہے۔ آنحضرت کے سانڈنی سواروں کو لوگ دیکھ چکے تھے گو اُن کی غرض کا پتہ نہیں چلا تھا ابوسفیان کو بھی ان باتونی بدوؤں نے سانڈنی سواروں کا پتہ دے دیا اس نے ان کے قدموں پر چل کر اونٹ کی تازہ مینگنیاں دیکھیں اور فوراً معلوم کر لیا کہ وہ مدینے کا چارہ کھائی سانڈنیاں تھیں۔ قافلہ سالار اس پر بھاگا بھاگا بدر سے واپس قافلے میں پہنچتا ہے اور ایک طرف تو مکے کو مدد کے لئے تیز رفتار پیام رساں بھیجتا ہے اور ساتھ ہی خود بھی راستہ کاٹ کر بدر کو چھوڑتے ہوئے

---

[1] طبری ص ۱۲۹۹ [2] مغازی الواقدی ورق (۰ ب) [3] سیرۃ شامی احوال جنگ بدر۔

ساحل کے قریب سے دو منزلے کو منزلہ کرتا ہوا، آرام لئے بغیر قافلے کو رات بھر چلنے کے باوجود دن بھر چلا کر جل دے جاتا ہے اور چند گھنٹے ٹھہر کر پھر آگے بڑھ جاتا ہے اور اس طرح مسلمانوں کی دسترس سے بچ کر صحیح سلامت مکہ پہنچ جاتا ہے۔[۱]

بدر کی لڑائی

قافلہ سالار کا پیام مکہ پہنچا تو وہاں لازمی طور پر کہرام مچ گیا۔ کیوں کہ ہر ایک گھرانے کا کچھ نہ کچھ سامان اس میں تھا جلدی میں قریش نے ناکافی تیاری کی اور جملہ حلیفوں کے اکٹھے ہونے کا انتظار نہ کیا۔ خاص کر جنگ جو "احابیش" کو ساتھ نہ لینے پر بعد میں وہ بہت پچھتاتے بھی رہے۔ پھر بھی ہزار کے قریب رضاکار جمع ہو گئے جن میں سے بعض کے پاس گھوڑے بھی تھے۔ اس کمک کو مکے سے بدر پہنچنے میں کم و بیش ایک ہفتہ ضرور لگا ہوگا یہ سوال کافی پیچیدہ ہے کہ قافلے کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد آنحضرت کیوں فوراً مدینہ واپس نہیں ہو گئے اور کیوں ہفتہ بھر بدر میں پڑاؤ ڈالے اپنے مرکز سے دور خطرے کا سامنا کرتے مقیم رہے۔ جہاں تک غور کیا مجھے ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے ہجرت کے ساتھ ہی آنحضرت نے آس پاس کے قبائل سے حلیفی اور معاونت کے معاہدے کرنے شروع کر دیئے تھے۔ چنانچہ ۲ھ میں جہینہ کے بعض

---

[۱] ابن ہشام ص۲۲۴

سرداروں سے معاہدہ ہُوا تھا[۱] ۲ھ میں ینبوع کے آس پاس بسنے والے بنو ضمرہ، بنو مُدلج، بنو زُرعہ اور بنو الربعہ سے دوستی اور اعانت یا غیر جانبداری کے معاہدے ہو گئے تھے۔ خوش قسمتی سے تاریخ نے ان معاہدوں کے متن کو محفوظ رکھا ہے[۲]۔ اور ان معاہدوں کے ساتھ ہی قریش پر راستہ بند کیا جا سکا، کیونکہ یہ سب قبائل مدینے اور بحر قلزم کے مابین بستے تھے، اور انہیں کی سرزمین سے قریشی کاروانوں کو گزرنا پڑتا تھا۔

وجہ جو بھی ہوئی ہو، ابتداً شام سے آنے والے قافلے کو روکنے کے لئے آنحضرتؐ نے ایک موزوں جگہ پڑاؤ ڈالا، پھر وہیں مقیم رہے۔ جب قریش کی فوج کے آنے کی اطلاع ہوئی تو آنحضرتؐ نے طے کیا کہ ان سے مقابلہ کرنا چاہیئے اگرچہ دشمن کی تعداد تقریباً تگنی تھی۔ اس وقت ہمراہی افسروں نے جو بدر کے جغرافیہ سے بہتر واقف تھے، مشورہ دیا کہ مکّے یعنی جنوب سے آنے والے دشمن کے مقابلے کے لئے پڑاؤ کو بدلنا مناسب ہوگا۔ پانی پر اپنی بہتر دسترس اور دشمن کو اس سے محروم کرنا خاص طور پر پیش نظر رکھا گیا[۳]۔ اسی طرح لڑائی چونکہ عموماً صبح کو شروع ہوتی تھی، اس لئے اس کا لحاظ رکھا گیا کہ دن چڑھے تو سورج آنکھوں پر نہ آئے[۴]۔

---

[۱] ملاحظہ ہو الوثائق السیاسیہ طبع مصر ۱۹۴۰ء نیز ابن سعد وغیرہ [۲] ابن ہشام ص۴۳۹ [۳] مغازی الواقدی۔ ورق ص۵۱

بدر کے پانی کے متعلق مورخوں نے جو تفصیلیں لکھی ہیں۔ وہ کچھ زیادہ واضح نہیں ہیں۔ ممکن ہے گزشتہ ساڑھے تیرہ سال میں پانی کے بہاؤ اور سوتوں میں تبدیلی ہوئی ہو۔ بہرحال موجودہ حالت یہ دیکھی گئی کہ دہاں ایک چشمہ ہے، جسے ہم کاریز یا زمین دوز نہر کہہ سکتے ہیں، اس کا بہاؤ شہر سے جبل عریش اور نخلستان کی طرف ہے، اور مسجد عریش سے کوئی پندرہ بیس قدم پہلے کا لیول پیدل راستے کے برابر ہے۔ مگر ظاہر ہے مسجد عریش ایک ٹیلے پر ہے۔ اس لئے مسجد کے اندر اس کا منہ کافی گہرائی پر ہی کھولا جا سکتا ہے۔

غالباً آنحضرتؐ نے قریش کے آنے پر العُدوۃ الدنیا سے آگے بڑھ کر مسجد عریش کے قرب وجوار میں اس چشمے کے بہاؤ کے موقع پر پڑاؤ ڈالا[1] اور متعدد حوض بنا کر اس بہتے پانی کو جنگ کے دن قریش پر روک دیا کیونکہ ان کا پڑاؤ اور بھی نیچے العُدوۃ القصویٰ پر تھا۔ متعدد بڑے حوضوں کے بغیر اس بہتے پانی کو زیادہ دیر تک روکا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

فریقین کی صف بندی

مسلمانوں کے پاس تین سو سے کچھ ہی زیادہ سپاہی[1] تھے۔ دشمن کی تعداد مؤرخوں نے ساڑھے[2] نو سو لکھی ہے۔ ایک بہتر "تعبیہ" (صف بندی) کے بغیر عام حالتوں میں مقابلہ زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکتا تھا۔ امام

---

[1] طبری ص۱۲۹۸، ص۱۳۰۲ [2] ایضاً نیز ابن ہشام ص۴۳۲

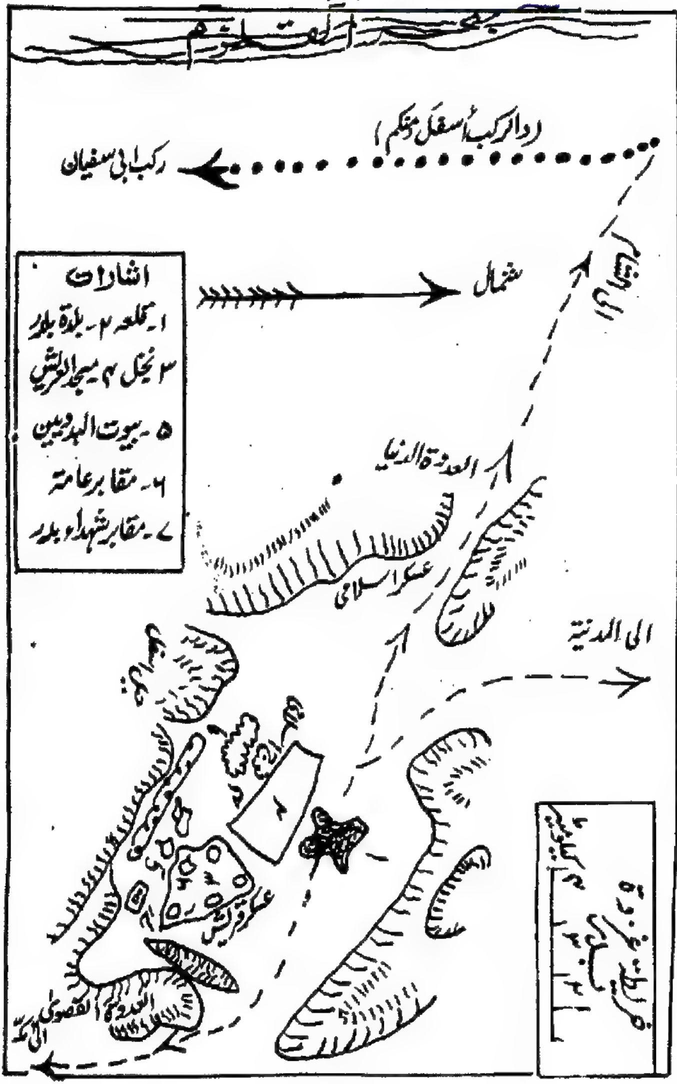
ترمذی[1] کے مطابق اسلامی فوج کی تقسیم لڑائی سے پہلے کی رات ہی کو عمل میں آچکی تھی۔ لڑائی کے دن سویرے ہی آنحضرت ؐ نے مسلمانوں کو قطاروں میں تقسیم کیا۔ اور صف بندی کا جنگ سے پہلے تنقیدی نظر سے معائنہ کیا۔ آپ ؐ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ معائنہ میں کوئی سپاہی ذرا بھی آگے یا پیچھے نظر آتا تو آپ ؐ اُسے فوراً درست کرتے[2]۔ اس صف بندی کے بعد آپ ؐ نے فوج کے مختلف حصوں پر افسر متقرر کئے۔ واقدی[3] کے مطابق میمنہ پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ تھے مگر یہ مشتبہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت صدیق پورا وقت جناب رسالتماب کے ساتھ رہے جیسا کہ ابھی آگے تفصیل آئے گی۔ واقدی نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی فوج تین مستقل جماعتوں پر مشتمل تھی۔ مہاجرین اُوس اور خزرج اور ہر ایک کا علمبردار بھی الگ تھا (نیز طبری ص۱۲۹۷)

اس صف بندی کے بعد آنحضرت ؐ نے سپاہیوں کو چند اہم ہدایتیں دیں[4] جن کا ماحصل یہ ہے کہ مسلمان اس صف بندی کو نہ توڑیں اور اس وقت تک لڑائی کا آغاز نہ کریں جب تک آنحضرت اجازت نہ دیں۔ دشمن دور ہو تو تیر چلا کر ضائع نہ کریں۔ زد پر آئے تو تیر چلائیں، اور بھی قریب

---

[1] جامع الترمذی ابواب الجہاد [2] طبری ص۱۳۱۹

[3] مغازی الواقدی ورق (۵ اب) [4] یہ ہدایتیں اکثر کتب حدیث میں ملتی ہیں مگران کا بدر میں دیا جانا واقدی کا بیان ہے نیز ابن ہشام ص۴۴۲


والركب أسفل منكم
ركب أبي سفيان
شمال
اشارات
۱۔ قلعہ ۲۔ بلدۃ بدر
۳۔ نخل ۴۔ مسجد العریش
۵۔ بیوت البدویین
۶۔ مقابر عامۃ
۷۔ مقابر شہداء بدر
العدوة الدنيا
عسکر اسلامی
الى المدينة
عسکر قریش
العدوة القصوى
الى مكة

آئے تو پتھروں سے ماریں، اس سے بھی نزدیک ہو جائے تو نیزوں سے روکیں اور سب سے آخر میں تلوار کھینچیں گے۔ یقیناً ہر مسلم سپاہی نے اپنے کھڑے ہونے کی جگہ ہاتھ سے پھینکے جانے والے پتھروں کی ڈھیر لگالی ہو گی۔ جو میدانِ بدر میں اسلامی کیمپ پر کافی مقدار میں ملتے ہیں۔ مسلمان چونکہ کھڑے ہوئے اور مدافعت پر تھے اس لئے یہ ان کے لئے ممکن تھا۔ دشمن جارحانہ حملہ کر کے بڑھا آرہا تھا۔ اس لئے وہ چاہتا بھی تو زیادہ مقدار میں پتھر نہ لے سکتا۔ مسلمان سپاہیوں کے پاس چونکہ کوئی امتیازی لباس نہ تھا۔ اس لئے "یامنصور اُمت" کا جملہ ان کا اشعار مقرر کیا گیا[1]۔ جب دو آدمی مقابل ہوتے اور فریق ثانی یہ اشعار نہ دہراتا تو فوراً معلوم ہو جاتا کہ وہ دشمن کا آدمی ہے "الملائکۃ مسوّمین" (نشان لگانے والے فرشتے) کی آیت کی تفسیر میں (جو بدر ہی کے سلسلے میں ہے) طبری وغیرہ نے یہ حکم نبوی بھی نقل کیا ہے کہ مسلمان لباس و ہیئت وغیرہ میں امتیاز بھی پیدا کرلیں" تسوّموا فانّ الملائکۃ تسوّمت" (نشانیاں لگالو کیوں کہ فرشتوں نے بھی نشانیاں لگالی ہیں)

دشمن کی تنظیم کا زیادہ پتہ نہیں چلتا۔ واقدی[2] کے مطابق ان کا

---

[1] مغازی الواقدی ورق ۲۶

[2] مغازی ورق ۱۵ اب

میمنہ و میسرہ دو حصّے تھے اور فوج میں تین جھنڈے تھے۔ انہوں نے پیش قدمی کرکے ایک خاص مقام پر توقف کیا۔ پھر اپنے زمانے کے جنگی رواج کے مطابق مبارزہ کیا یعنی ان کا ایک بہادر صفوں سے آگے بڑھا اور دعوت دی کہ مسلمانوں کا بھی ایک پہلوان آگے آئے اور دونوں تنہا لڑیں[۱]۔

آنحضرتؐ نے اپنی صف بندی مکمل کی اور انتظام کی طرف سے مطمئن ہوکر اپنے "اسٹاف" کے ساتھ ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔ جہاں سے میدان جنگ صاف نظر آتا تھا (علی تل مشرف علی المعرکۃ[۲]) اس ٹیلے پر آنحضرتؐ کی اجازت سے ایک جھونپڑی (عریش) تیار کی گئی تھی۔ جس کا منشا کچھ تو دھوپ کے وقت سپہ سالار کے لئے سایہ مقصود تھا، اور کچھ دشمن کے تیروں سے بچاؤ کے پیش نظر ہوگا۔ یہاں چند تیز رفتار سانڈنیاں بھی متعین تھیں[۳] یقیناً اپنی فوج کو ہدایات بھیجنے میں آنحضرتؐ نے ان سے کام لیا ہوگا۔ ان سانڈنیوں کا منشا یہ بھی تھا کہ ضرورت پر آنحضرتؐ ان پر مدینہ جا سکیں اور عریش سے مدینے کا راستہ کھلا رکھا گیا تھا۔ نیز طبری کے مطابق عریش پر ایک محافظ دستے کا پہرہ بھی تھا[۴]۔ اسی عریش یا جھونپڑی کی جگہ پر آج کل بطور یادگار ایک جامع مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ اس میں فی الوقت تین کتبے ہیں ایک

---

[۱] ابن ہشام صفحہ ۴۴۳ [۲] سیرۃ شامی غزوہ بدر [۳] ابن ہشام صفحہ ۴۳۹ تا صفحہ ۴۴۰ [۴] طبری صفحہ ۱۳۲۲

منبر کے اوپر، دوسرا محراب کی کمان کے اوپر قبلہ رخ دیوار میں نصب ہے۔ تیسرا محراب کے پاس الگ زمین پر پڑا ہُوا تھا۔ مسجد کی دیواریں مٹی کی ہیں۔ جن کے اندر ممکن ہے اینٹ ہو۔ پایہ پتھر کا ہے، منبر کے اوپر جو کتبہ ہے اس میں مصر کے مملوک افسر خشقدم کا نام ملتا ہے۔ املا کی غلطیاں (ہذالمکان، کان الفراغ وغیرہ) بھی انہیں عجمیوں نے کی ہوں گی۔ محراب کی کمان کے اوپر سنگ مرمر کا چھوٹا سا کوئی آٹھ اِنچ مربع کتبہ ہے جو کچھ تو آرائشی خط میں طغری کی طرح لکھا ہوا ہونے اور کچھ قدامت کے باعث بہت کچھ گھس جانے کے باعث مجھ سے نہ پڑھا گیا۔ میری رائے میں یہ مملوکوں سے بھی پہلے کا ہے تیسرا کتبہ جو نیچے پڑا ہوا ہے۔ وہ بہت بدخط معمولی ریت کے پتھر پر لکھا ہوا اور غالبًا حال کا ہے۔ اس کا زمین پر پڑا ہونا بتاتا ہے کہ مسجد کی موجودہ تعمیر بالکل جدید ہے اور دونوں نصب کئے ہوئے کتبے محض یادگار کے طور پر دیوار چنتے وقت لگا دیئے گئے۔ یہ تیسرا کتبہ بھی اپنے زمانے میں کہیں نصب ہوگا۔ اس میں بھی "کان الفراغ" کے الفاظ اب تک صاف پڑھے جاتے ہیں۔ مملوکوں کے کتبے کی عبارت میں نے یوں پڑھی ہے۔

سطر اول۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

۲۔ الشافی حضر ہذا المکان المبارک۔

۳۔ خشقدم امیرہ عسرہ (؟ عشرۃ، عشیرۃ) بدیار المصریہ مشیدۃ

۔العمارۃ السلطانیہ
۴۔ وکان الفراغ من ہذا البتیۃ المبارک ربیع الاول احد وعشرین
فی سنتہ ستتہ وتسعمایتہ۔
(ترجمہ:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس مبارک مقام پر حصار
تعمیر کرنے کا آغاز خشقدم نے کیا جو سلطنت مصر میں امیر
عشرہ اور سرکاری انجینئر تھا۔ اس مبارک عمارت کے
بنانے سے ۲۱ ربیع الاوّل ۹۰۶ھ میں فراغت ہوئی۔
شہدائے بدر کا مقبرہ بھی ایک ممتاز احاطے میں آج تک موجود
ہے۔ ترکی دور میں وہاں سنگ مرمر کے ستون اور کتبے وغیرہ لگائے
گئے تھے۔ مگر اب یہ کھنڈر ہو چکے ہیں، اس کے قریب ہی بدر کے مزدور



ایک چٹان بتاتے ہیں اور یقین
دلاتے ہیں کہ اس عمودی غار میں
آنحضرتؐ اترے تھے، مگر اس
کی توجیہ مشکل ہے اور تاریخیں
بھی اس سے ساکت ہیں۔
بدر کی مقامی روایتوں اور وہاں کے مزدورین کے بیان کے
مطابق لڑائی اسی جگہ ہوئی جہاں اب قبرستان واقع ہے۔ آنحضرتؐ
نے اپنی چھوٹی سی جمعیت کے لئے بھی رضاکار عورتیں مقرر کی تھیں
جو زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں[1] سپاہیوں کو پانی پلاتیں۔ میدان میں گرے

[1] بخاری ص ۵۶/۵۷

دشمن کے تیروں کو جمع کر کے مسلم تیراندازوں کو دینے کا خطرناک کام بھی کرتیں، غرض جتنا ہوتا ہاتھ بٹاتیں۔

لڑائی کے نتیجے سے سب واقف ہیں۔ مسلمانوں کے کوئی ایک درجن سپاہی شہید ہوئے[1]۔ دشمن کے ستر آدمی کھیت رہے[2] اور اتنے ہی گرفتار ہوئے[3] جو قید کر کے فوجی نگرانی میں غالباً پیدل مدینہ بھیجے گئے ان کے ساتھ عام طور پر اچھا سلوک کیا گیا، جس کے پاس کپڑے نہ رہے تھے اُسے کپڑے دیئے گئے اور انہیں مسلمان سپاہیوں کے برابر کھلایا پلایا گیا[4]۔ آنحضرت[ؐ] نے جُملہ لاشوں کو دفن کرایا اور فوراً دو تیز رفتار مبشر مدینہ بھیجے، ایک محلہ ہائے عالیہ کے لئے اور دوسرا محلہ ہائے سافلہ کے لئے تاکہ وہاں کی بے چین آبادی کو لڑائی کے نتیجے کی خوشخبری اور دیگر واقعات سنائیں[5]۔ یہ رمضان سنہ ۲ھ کا واقعہ ہے۔

قیدیوں سے برتاؤ عرب میں یکساں نہ تھا۔ وہ قتل بھی کر دیئے جاتے غلام بھی بنا لئے جاتے۔ خاص کر عورتیں اور بچے اور مفت بھی رہا کر دیئے جاتے۔ مالی فدیئے کا رواج مسلمانوں میں جنگ بدر کے پہلے ہی سے چلا آرہا تھا۔ اب ایک ہتھیار فروش (نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب) سے ایک ہزار نیزے مانگے گئے[6]۔ عام قیدیوں سے

---

[1] ابن ہشام ص۵۰۶ [2] ایضاً ص۵۰۷ و مابعد [3] ایضاً ص۵۱۲ و مابعد [4] ابن ہشام ص۴۵۹ تا ص۶۰ ابن سعد ۲/۱ ص۱۶ نیز بخاری ۵۶/۲ [5] سیرۃ شامی غزوہ بدر نیز ابن ہشام ص۴۵۷ [6] اصابہ نمبر ۸۳۳۶ از ابن سعد نیز کتانی ج ۲ ص۳۸۔

پچار چار ہزار کی خطیر رقم طلب کی گئی[1] آنحضرت تعلیم کو جو اہمیت دیتے تھے۔ اس کا اندازہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ چار ہزار کی خطیر رقم کے عوض پڑھے لکھے قیدیوں کو دس دس بچوں کو لکھنا سکھانے پر رہا کر دیا گیا[2]۔ چند ایک کو مسلمانوں سے آئندہ نہ لڑنے کے اقرار پر مفت بھی رہا کر دیا گیا[3]۔

اسلامی محدث اور مؤرخ لکھتے ہیں کہ بدر میں قیام کے ساتھ ہی آنحضرت صلعم نے اپنے ممتاز افسروں کے ساتھ پھر کر میدان جنگ کا معائنہ کیا اور جگہ جگہ بتانے لگے کہ دشمن کا فلاں افسر فلاں جگہ ہو سکتا ہے اور اس کے مرکز گرنے کی جگہ فلاں ہے[4]۔ سپہ سالار اعظم کا انتہائی خطرے کے موقع پر یہ اطمینان اور اتقان ماتحت افسروں اور ان کے ذریعے سے پوری فوج میں جو خود اعتمادی اور جوش و ولولہ پیدا کر سکتا ہے وہ ظاہر ہے اور ساتھ ہی یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ دشمن کی صلاحیتوں اور تجویزوں کا پیش اندازہ کتنا مفید اور ضروری ہوتا ہے۔

اسلام نے جہاں ہر چیز میں جمالیات کا لحاظ رکھا ہے۔ وہیں لڑائی کیلئے بھی انسانیت پرور اور قابل عمل قواعد بنائے ہیں۔ چنانچہ ایک مشہور حدیث[5] جو غالباً اسی جنگ بدر کے موقع پر ارشاد ہوئی تھی، یہ

---

[1] ابن ہشام ص ۶۶۲ وغیرہ [2] مسند ابن حنبل ۱/۲۴۶ ابن سعد ۲/۱ ص ۱۴
[3] طبری ص ۱۳۵۵ نیز ابن ہشام ص ۴۷۱ [4] مثلاً طبری ص ۱۲۸۸ "فلما ورد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدراً قال ہذہ مصارعہم" نیز ابن ہشام ص ۴۳۵ وغیرہ [5] صحیح مسلم ج ۲ ص ۶

ہے کہ اذا قتلتم فاحسنوا القتلۃ (جب تم کسی کو قتل بھی کرو تو اچھے طور سے قتل کرو) خواہ مخواہ تکلیف دہ کاموں کی اور مقابلے کے ناقابل زخمیوں کو قتل کرنے، عورتوں، بچوں اور لڑائی میں حصہ نہ لینے والے نوکروں غلاموں وغیرہ پر ہتھیار چلانے کی سختی سے ممانعت کی گئی اور قرآن مجید میں اسی جنگ بدر کے موقع پر ہتھیار کے استعمال کی ایک بڑی اہم ہدایت آئی کہ واضربوا منھم کل بنان" (یعنی ان کی جوڑوں پر مارو)[1] اور ظاہر ہے کہ دشمن کو لڑائی کے ناقابل کر دینے اور ساتھ ہی خونریزی کو حتی الامکان گھٹانے کی اس سے بہتر ہدایت کسی دست بدست لڑائی کے لئے نہیں دی جا سکتی۔

---

[1] دیکھئے تفسیر طبری برموقع

اُحد

شام جانے کا بڑی راستہ قریش کے تجارتی کاروانوں کے لئے جو اہمیت رکھتا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کو کھلا رکھنے کیلئے ڈھائی لاکھ درہم کا چندہ کرنا اہل مکہ کے لئے ذرا بھی بار نہ گزرا۔ کم و بیش اتنی ہی اور رقم انہوں نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانے میں صرف کی۔ سیرۃ شامی[1] وغیرہ میں تفصیل[2] سے بتایا گیا ہے کہ کس طرح قریش نے علاوہ اپنی ذاتی رضا کارانہ جمعیت کے جس میں جنگجو "احابیش" بھی شریک تھے عمرو بن العاص، عبداللہ بن الزبعریٰ ہبیرہ بن ابی وہب، مسافع بن عبد مناف اور ابو عزّہ عمرو بن عبداللہ الجمعی کو تمام قبائل عرب میں بھیجا۔ اور خطرے کی اہمیت سمجھا کر مدینے پر حملے کے لئے مدعو کیا۔ اس میں اتنی کامیابی ہوئی کہ "فالبّوا العرب[3] وجمعوہا" غرض تین ہزار کی جمعیت سال بھر کے عرصے میں تیار ہوئی جس میں سات سو زرہ پوش اور دو سو گھوڑے بھی تھے[4] اس تیاری کی اطلاع مسلمانوں کے خفیہ نگار نے بروقت آنحضرت کو دے دی[5] اور مدینہ بھی مدافعت کیلئے

---

[1] سیرۃ شامی احوال اُحد [2] برموقع ابن ہشام ص ۵۵۵ ومابعد [3] ابن ہشام ص ۵۶۱ [4] [5] سیرۃ شامی "وکتب العباس الی رسول اللہ بذالک مع رجل من غفار"۔

تیار ہو گیا اور وسط شوال ۳ھ میں اُحد کی معرکہ آرائی ہوئی۔

قریش مع اپنے حلیفوں کے مدینے پر دھاوا بولتے ہیں اور اُحد پہاڑ کے دامن میں لڑائی ہوتی ہے۔

محل وقوع اور وجہ انتخاب

اُحد ایک پہاڑ ہے جو مدینے کے شمال میں تین ساڑھے تین میل کے فاصلے پر شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے مکّے کے متعلق سب جانتے ہیں کہ وہ مدینے کے جنوب میں واقع ہے۔ عرصے سے میں یہ سوچتا اور دوسروں سے پوچھتا رہا کہ مکّے والے مدینے کے جنوب پر کیوں حملہ آور نہیں ہوئے اور کس مصلحت سے مدینے کے شمال میں جا کر اپنی واپسی اور اپنی کمک وغیرہ کا راستہ بند کر لیا۔ جب میری کسی طرح تشفی نہ ہوئی تو مجبوراً میں اس نتیجے پر پہنچا کہ موجودہ اُحد وہ مقام نہیں ہے جہاں غزوۂ اُحد پیش آیا اور یہ کہ قدیم اُحد اصل میں مدینے کے جنوب میں قُبا کے قرب وجوار میں کسی جگہ واقع ہوگا قدیم مؤرخین اور جغرافیہ نگاروں کا متفقہ بیان کہ اُحد مدینے کے شمال میں ہے اور حتیٰ کہ حضرت حمزہ کا مزار بھی میری تشفی نہ کر سکے۔

لیکن جب میں نے برسرموقع مقامیاتی (ٹوپوگرافیکل) مطالعہ کیا تو وہ چیز سمجھ میں آگئی جو بیسیوں کتابوں کی سالہا سال ورق گردانی سے بھی نہ آئی تھی۔

مدینہ ایک ایسے مقام پر آباد ہے جو دس میل لمبے اور اتنے ہی چوڑے میدان پر مشتمل ہے اسی میدان کو "جوف مدینہ" اور بعد میں "حرم مدینہ" کا نام دیا گیا۔ اس میدان کے اطراف ہر سمت میں اونچی اور ایک دوسرے سے متصل پہاڑیوں کا سلسلہ بڑی دور تک چلا گیا ہے اور آمدورفت تنگ وادیوں اور گھاٹیوں میں سے ہوتی ہے۔ جبل عیر اور جبل ثور سے محدود ہونے والا یہ میدان بالکل ہموار بھی نہیں ہے بلکہ بیچ میں سلع کا پہاڑ اور متعدد دیگر چھوٹی پہاڑیاں واقع ہیں جن کو بڑی جنگی اہمیت حاصل ہے۔

عہد نبوی میں مدینہ کوئی اس طرح کا شہر نہ تھا جیسا کہ وہ آج کل ہے، یا جس طرح کے گنجان محلّوں کے مجموعوں کے ہم عادی ہیں۔ اس زمانے میں وہاں عرب اور یہودی قبیلے بستے تھے اور ہر قبیلے کا محلّہ یا گاؤں دوسرے سے الگ اور فرلانگ دو فرلانگ یا اس سے بھی زیادہ فاصلے پر واقع تھا۔ اس طرح کے گاؤں کا سلسلہ جبل عیر سے جبل ثور تک برابر پھیلا ہوا تھا۔

ان گاؤں کی حالت یہ تھی کہ ان میں ایک یا زیادہ پانی کے کنویں ہوتے، رہائشی مکان پتھر کے بنے ہوئے اور عموماً دو منزلہ ہوتے۔ ہر گاؤں میں برج کی وضع کی مستحکم عمارتیں ہوتیں جن کو آطام اور آجام کہا جاتا۔ جنگ کے زمانے میں عورتیں بچے، جانور اور دیگر اسباب ان میں منتقل کر دیا جاتا۔ ایک زمانے میں ان آطام کی تعداد ایک سو سے

زائد ہو گئی تھی[1] ایک اور زمانے میں خاص ایک قبیلہ بنی زید میں (۱۴) اُطام تھے[2] اُن میں سے بعض بہت بڑے ہوتے تھے۔ چنانچہ اُحیحہ بن الجلاح کا اُطم الضحیان کتاب الاغانی[3] کے مطابق سہ منزلہ تھا۔ سب سے نیچے کی منزل لاوے کے سیاہ پتھروں سے تعمیر ہوئی تھی۔ اس سے اوپر کے دو درجے (نبرۃ) "چاندی کی طرح سفید پتھروں" سے بنائے گئے تھے اور یہ اُطم اتنا اونچا تھا کہ اونٹ ایک دن کی مسافت سے اس کو دیکھ سکتے تھے۔ قبا کے قریب اس اُطم کے کھنڈرات راس کی سب سے نیچے کی منزل اب تک باقی ہیں اور مدینے کی دورِ جاہلیت کی حربی تعمیر کے مطالعے کا موقع دیتے ہیں۔ ان آطام کے اندر اکثر پانی کے کنویں بھی ہوتے تھے، تاکہ محاصرے کے وقت کام دیں۔

ان منتشر اور دُور دُور بسے ہوئے محلوں کے علاوہ مختلف افراد یا قبائل کے باغ تھے اور عموماً ان کا احاطہ پتھر کی دیوار سے بنایا جاتا تھا۔ یہ باغ آبادی کے اطراف چو طرف پھیلے ہوئے تھے۔

ان قبائلی آبادیوں میں سے ایک نام یثرب تھا اور یہ گاؤں اب تک باقی ہے ممکن ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ سب سے اہم آبادی ہو اور اسی کی بنا پر پورے جوف مدینہ کے دیہات پر یثرب کا اطلاق ہوتا ہو۔ جس کی نظیریں ہر ملک میں ملتی ہیں۔ مدینۃ المبنی کا محلہ، جہاں

---

[1] جیسا کہ متعدد مؤرخوں نے لکھا ہے [2] ایضاً [3] آغانی ج ۱۴ صفحہ ۱۲۴

آنحضرت رہتے تھے، کم و بیش وسط میں واقع ہے۔ سکنے والوں کو عام اہل مدینہ سے کوئی پرخاش نہ تھی۔ وہ صرف آنحضرت پر اپنا غصہ اتارنا چاہتے تھے۔ مسکن نبوی تک پہنچنے کے لئے جنوب میں گنجان باغ حائل تھے۔ جن کے باعث لڑائی کا کوئی میدان نہ تھا۔ جنوب مشرق میں قبا اور عوالی کی آبادیاں اور باغ تھے۔ مشرق میں مسلسل یہودی محلّے تھے جو شمالاً جنوباً قُبا سے لے کر تقریباً اُحد تک چلے گئے تھے۔ باغوں یا محلّوں کا سلسلہ جنوب مغرب اور مغرب میں بھی پھیلا ہوا تھا مگر نسبتہً کم گنجان تھا۔ مدینے کی موجودہ فصیل پر شمال میں باب الشامی کے پاس بنو ساعدہ رہتے تھے۔ جن کا سقیفہ اب تک موجود ہے۔ اس سے آگے خود جبل سلع پر بنو حرام رہتے تھے۔ ان کا قبرستان اور سقیفہ بھی اب تک باقی ہیں۔ شمال مغرب میں وادی العقیق کے کنارے بئرِ رُومہ تک بہ کثرت باغ تھے۔ بئرِ رومہ مع اراضی تابعہ ابتداً یہودیوں کے قبضے میں تھی[1]۔ شمالی حصہ البتہ کھلا ہوا تھا۔ چونا ملی ہوئی سفید چوڑی زمین کے باعث آج بھی وہاں زراعت نہیں ہو سکتی۔ ادھر سے مدینۃ النبی کا راستہ کھلا ہوا بھی تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ مدینے کے جنوب میں بلند پہاڑیاں ہیں اور راستہ صرف وادیوں اور گھاٹیوں میں سے گزرتا ہے۔ عہد نبوی میں مدینے کو براہ راست جنوب سے آنے کے لئے قبا کی طرف ایک سخت دشوار گزار راستہ تھا جو لاوے کے پتھروں سے اٹا

---

[1] احادیث فضائل حضرت عثمان میں بئرِ رومہ کی خریداری کا ذکر کسی بھی کتاب حدیث میں؟

ہوا ہونے کے باعث شاذ ہی اختیار کیا جاتا تھا آنحضرتؐ نے ہجرت کے وقت دشمن کے تعاقب کے خیال سے مصلحتاً یہی راستہ اختیار فرمایا تھا۔ کسی فوج کے لئے لاوے سے اٹے ہوئے میدانوں میں سے گزرنا آدمی اور جانوروں کے لئے سخت تکلیف دہ ہے اور دوپہر کو ان پتھروں کے گرم ہو جانے کے باعث وہاں پڑاؤ ڈالنا بھی کم پسند کیا جا سکتا ہے۔ مدینے کے مشرق اور مغرب دونوں طرف شمالاً جنوباً لاوے کے یہ میدان پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کو "لابہ" "حرّہ" کہا جاتا ہے۔ ان حرّوں میں آبادی کے مکان تو تھے۔ غالباً جن کی مصلحت سے۔ لیکن باغ نہیں۔ اگر تکلیف گوارا کر کے ان حرّوں پر سے فوج گزر بھی جائے تو ایسے میدانوں میں لڑائی بھی آسان نہیں۔

مزید براں مدینے کو آنے کا جنوبی راستہ جو آج کل باب العنبریہ سے داخل ہوتا ہے۔ ابھی تین سو سال پہلے تعمیر ہوا۔ ورنہ قدیم زمانے میں کاروانوں کا راستہ یہ تھا کہ ذوالحلیفہ سے گزرتے ہی جبل عَیر کے مغرب سے وادی العقیق کے اندر سیدھے شمال میں زغابہ کے سنگم (مجمع الاسیال) تک جائیں اور وہاں سے مدینے کو جانے کے لئے جنوبی طرف مڑیں۔ وادیوں کے یہ راستے نرم ریت پر مشتمل ہونے کے باعث اونٹوں کو بھی پسند تھے۔

غرض یہ جغرافی دشواریاں تھیں جن کے باعث قریش کی تھکی ہوئی فوج اور بارہ دن کے کوچ سے نیم مردہ جانوروں نے بھی مدینے سے دور زغابہ میں جا کر ٹھہرنا پسند کیا۔ یہاں پانی افراط سے تھا۔ چارہ بھی ملتا تھا اور

چونکہ کامیابی کا یقین تھا۔ اس لئے واپسی کے راستے کی بھی فکر نہ تھی۔

جیسا کہ بیان ہوا اُحد پہاڑ مدینے کے شمال میں شرقاً غرباً کم و بیش بہ خطِ مستقیم پھیلا ہوا ہے تقریباً وسط میں اس میں ایک جگہ خم آ جاتا ہے اور نیم دائرے یا گھوڑے کی نعل کی شکل کا ایک کافی وسیع میدان بن گیا ہے اس کے عقبی یعنی شمالی حصے میں ایک بہت ہی تنگ درّے سے گزرنے پر اندر مزید کھلے یا محفوظ میدان مل جاتے ہیں۔ اُحد کے جنوبی دامن میں وادی قناۃ گزرتی ہے۔ وادی قناۃ کے جنوب میں جبل عینین واقع ہے جسے اب جنگ اُحد میں تیر اندازوں کے تعین کے باعث جبل الرُّماۃ کہا جاتا ہے۔ وادی قناۃ کے شمال میں جبل اُحد کے دامن میں جو کھلا میدان ہے اس میں پانی کے دو چشمے اب بھی موجود ہیں اور کوئی تعجب نہیں جو انہیں چشموں کے باعث جبل الرُّماۃ کو جبل عینین (دو چشموں والا پہاڑ) کہا جاتا رہا ہو۔

جب قریشی فوج مدینے کے قریب ذوالحلیفہ پہنچی تو مسلمانوں کے جاسوس ان میں شامل ہو گئے اور جب یہ فوج جبلِ اُحد کے مغرب میں زغابہ میں مقیم ہو گئی تو مدینہ آ کر رپورٹ دی[1]۔ آنحضرتؐ نے بھی (جو ابتداً) شہر کے اندر ہی رہ کر مدافعت کرنا چاہتے تھے۔ لیکن بعد میں فوج کے نوجوان افسروں کے اصرار پر باہر نکل کر مقابلے کو منظور فرماتے ہیں[2]۔

---

[1] مغازی الواقدی ورق (۹۴ ب) [2] ابن ہشام ص ۵۵۸

اپنی فوج کو اُحد کی طرف چلنے کا حکم دیا۔ آبادی کے باہر جمع ہونے پر شیخین کی گڑھیوں کے پاس استعراض (ریویو) ہوا اور رضا کاروں کا تنقیدی نظر سے معائنہ فرمایا۔ کم عمر بچے واپس کر دیئے گئے[1] البتہ عورتوں کی کافی تعداد ساتھ رکھی گئی جو لڑائی کے وقت، زخمیوں اور دیگر سپاہیوں کی خدمت کرتی رہیں ان میں ام المومنین بی بی عائشہ بھی تھیں۔ جن کا مشکیں بھر بھر کر پانی لاتا اور زخمیوں کو پلانا صحیح بخاری میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ اس فوج میں کُل سات سو آدمی تھے۔ جن میں سے صرف ایک سو کے پاس زرہیں تھیں[2]۔ باقی مختلف قسم کے ہتھیاروں میں سے ایک یا چند لئے ہوئے تھے۔ پہلے دن اسی جگہ قیام رہا جہاں رضا کاروں کو جمع ہونے کا حکم دیا گیا تھا اور جہاں فوج کا معائنہ ہوا تھا۔ اس جگہ شیخین نامی دو مشہور آطام چھوٹے قلعے بھی[3] تھے۔ رات کو پچاس سپاہی حفاظت کے لئے اسلامی پڑاؤ کے اطراف گشت کرتے رہے[4] تاکہ شب خون کا اندیشہ نہ رہے۔ دوسرے دن آگے بڑھ کر جبل اُحد کے مذکورہ کھاؤ کے اندر پڑاؤ ڈالا گیا[5] جس سے بہتر اور محفوظ مقام نہیں مل سکتا تھا۔ آنحضرت[6] نے فوراً مورچوں پر قبضہ کیا اور جبل عینین (جبل الرّماۃ) پر پچاس تیرانداز متعین کئے کہ اگر دشمن وادی قناۃ کی راہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کو ٹکڑی

---

[1] سیر دشامی بر موقع [2] ایضاً [3] ذنزل بالشیخین وہما طمان [4] ایضاً واستعمل علی الحرس تلک اللیلۃ محمد بن مسلمۃ فی خمسین رجل یطوفون بالعسکر [5] ایضاً۔

بھیجے تو اُسے روکیں[1] باقی چھ ساڑھے چھ سو سپاہیوں سے آنحضرت نے قریش کی تین ہزار جمعیت کے مقابلے کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا۔ متعدد مؤرخوں نے لکھا ہے کہ لڑائی کے دن آپؐ نے دوہری زرہ زیب تن فرمائی تھی[2] اور بعض بیانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑائی کے دن آپؐ نے کعب بن مالک سے زرہ بدلی بھی فرمائی[3] غالباً اس لئے کہ دشمن پہچان نہ سکے۔

جبل عینین اور جبل اُحد کے درمیان آج کل جو فاصلہ ہے وہ اتنا وسیع ہے کہ پچاس تیراندازوں کا سواروں کے ایک رسالے کو روکنا ناممکن معلوم ہوتا ہے قریش کے پاس دو سو گھوڑوں کا ہونا بیان کیا جاتا ہے جو خالد بن عبدالولید اور عکرمہ بن ابی جہل کی کمان میں تھے[4] دوسرے الفاظ میں وادی قناۃ سے گھسنے کی کوشش کرنے والا خالد بن عبدالولید کا رسالہ کم سے کم سو سواروں پر مشتمل تھا، اور موجودہ چوڑائی اتنی ہے کہ یہ رسالہ مسلم تیراندازوں کی زد سے پرے حفاظت سے گزر سکتا ہے۔ اس دشواری کا حل سوائے قیاسات کے ممکن نہیں۔ گمان یہ ہوتا ہے کہ اُحد اور وادی قناۃ کے مابین اس وقت جو ہلکے سے ڈھلوان کا میدان ہے۔ وہ ۳ھ میں اتنا ہموار نہ تھا جتنا اب ہے۔ مؤرخین کے بیان کے مطابق وادی قناۃ میں بارہا شدید طغیانیاں آتی رہی ہیں چنانچہ

---

[1] ابن ہشام ص ۵۶۰ [2] ابن ہشام ص ۵۶۰ [3] کتانی ۱/۳۲۵ نیز استیعاب ۲/۲۰۹
[4] ابن ہشام ص ۵۶۱

حضرت حمزہ کو اسی بناء پر ابتدائی مدفن سے نکال کر موجودہ قبر میں دفن کرنا پڑا تھا۔ ان طغیانیوں نے اس ڈھلوان کو، جو اُحد کی طرف سے اُترتا ہوا قناۃ کی طرف آتا ہے ہموار کردیا ہے۔ دوسرے جبل الرُّماۃ پر حالیہ زمانوں میں جو مکان تعمیر ہوئے ہیں، نیز حضرت حمزہؓ کے مقبرے اور عظیم الشان مسجد کو بنانے اور ان کئی درجن مکانوں کو تعمیر کرنے میں جو وادی قناۃ کے کنارے مقبرہ حضرت حمزہؓ کے مشرق میں ہیں اُحد کے دامن سے پتھر حاصل کئے گئے اور اس سنگ تراشی یا سنگ براری نے بھی اُحد و عینین کے درمیانی ڈھلوان کو مسطح کردیا، ورنہ قدیم زمانے میں اُحد کے دامن میں جبل عینین کے تیراندازوں کی زد سے بچ کر سوار نہیں گزر سکتے ہوں گے۔ ایک یہ بھی امکان ہے کہ وادی قناۃ کے باعث نیز دو چشموں کی موجودگی کی بناء پر اُحد اور قناۃ کے مابین باغ، مکانات وغیرہ ہوں جو اب باقی نہیں رہے اور یہ رسالے کو روکتے ہوں گے اور وہ صرف وادی قناۃ میں سے گزر سکتا ہوگا۔ اگر رسالہ صرف وادی قناۃ میں سے گزرنا چاہے تو تیرانداز اُسے اچھی طرح زد میں لے سکتے ہیں اس دشواری کا ایک خاصا بڑا حل اس تفصیل میں مل جاتا ہے کہ تیراندازوں کی ہمکاری کے لئے چند سوار بھی متعین تھے۔ جیسا کہ ابھی نیچے ذکر آئے گا باغوں کا بھی ہمیں ذکر ملتا ہے۔ ابو دجانہ کا دامن اُحد میں رسولِ کریمؐ سے ایک خصوصی تلوار اپنی بہادری کے اظہار کیلئے حاصل کرنا مشہور واقعہ ہے۔ اس موقعہ پر ان کا کہا ہوا ایک شعر جو

طبری (ص ۱۴۲۶) اور ابن ہشام (ص ۵۶۲) میں محفوظ ہے۔ کوئی تعجب نہیں جو اصلی ہو سے

انا الذی عاهدنی خلیلی
ونحن بالسفح لدی النخیل

ترجمہ:۔ میں وہ ہوں جس سے میرے دوست نے معاہدہ لیا جب کہ ہم نخلستان کے پاس پہاڑ کے دامن میں تھے۔

جنگ اُحد کے دن قریشی فوج زغابہ سے سیدھے اُحد کے جنوبی دامن میں پہنچ گئی ہوگی اور موجودہ مغربی مقبرۂ شہداء پر مسلمانوں سے اس کی مٹ بھیڑ ہوئی ہوگی۔ خالد بن الولید کا رسالہ کدھر سے آیا؟ میرا قیاس ہے کہ وہ زغابہ کے شمال مشرق میں اُحد کے پیچھے سے گزرتا ہوا مشرقی طرف سے میدانِ اُحد کی طرف آیا، جہاں باوجود کئی بار بڑھنے کی کوشش کے تیروں کی باڑھ اُسے پسپا ہونے پر مجبور کرتی رہی طبری (۱۳۹۴ و مابعد) سے یہ اہم واقعہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کے رسالوں کے مقابلے کے لئے آنحضرت صلعم نے اپنے مختصر رسالے کے بھی دو حصے کئے تھے اور حضرت زبیرؓ کا رسالہ تیراندازوں کے ساتھ ہم کاری کرتے ہوئے خالد کے رسلے کو پسپا کرنے میں کامیاب حصہ لیتا رہا۔

تاریخ میں جانتے ہیں کہ اہل مدینہ کی جانبازی کے باعث قریشی لشکر کے پاؤں اُکھڑ گئے[1] اور مسلمان سپاہی لوٹ کھسوٹ کرنے لگے اس

---

[1] ابن ہشام ص ۵۶۹

وقت تیرانداز بھی پہاڑ سے اتر گئے اور مالِ غنیمت جمع کرنے کے لئے چوطرف پھیل گئے حالانکہ آنحضرت نے انہیں ہر حال میں اپنی ہی جگہ جمع رہنے کی تاکید فرمائی تھی۔ حتیٰ کہ مسلمان فوج کو شکست بھی کیوں نہ ہو جائے۔ سات آٹھ تیرانداز جو وہاں رہ گئے۔ خالد بن الولید کے رسالے کے تیز دھاوے کو روکنے کے ناقابل تھے۔ جب ان سواروں نے مسلمانوں پر اچانک پیچھے سے حملہ کیا[1] اور وہ پلٹے تو پسپا ہونے والا قریشی لشکر بھی تھما اور دوبارہ حملہ کیا۔ اب مسلمان دو طرف سے گھر گئے اور آنحضرت کی شہادت کی افواہ پھیلی[2] تو ان کے اوسان اور بھی خطا ہوئے اور آخر انہیں شکست ہو گئی اور اکثر مدینے کی طرف بھاگنے لگے[3] قریش سمجھے کہ ان کا کام ختم ہو گیا اور وہ اپنے اونٹوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے تھے[4]
آنحضرت زخمی ہو گئے تھے آپ کے دندانِ مبارک کو بھی دشمن کی سنگ اندازی سے صدمہ پہنچا تھا[5] اور دشمن کے کھود کر چھپائے ہوئے ایک گڑھے میں بھی اتفاقاً آپ گر پڑے تھے[6] مگر دشمن مسلمانوں

---

[1] ایضاً ۵۷۰ [2] ابن ہشام ۵۷۰ [3] موقع پا کر ایک منافق نے ایک مسلمان کو عمداً قتل کر ڈالا تو پتہ چلنے پر بعد میں آنحضرت نے قصاص کا حکم فرمایا (دیکھئے کتاب المحبر ابن حبیب ص۴۶۷ و ابن ہشام ص۵۷۹) لیکن ایک اور صحابی کو بھی بعض دیگر رفیقوں نے دشمن سمجھ کر قتل کر ڈالا تو مقتول کے بیٹے حذیفہ بن الیمان رضؓ نے خون بہا معاف کر دیا (ابن ہشام ص۵۷۶) حذیفہ کے والد "یمانؓ" (یعنی یمن والے) کا نام حسیل بن جابر تھا۔ [4] ابن ہشام ص ۵۵۵ تا بعد [5] ابن ہشام ص۵۷۱ [6] ایضاً ص۵۷۲

سے میدان کو خالی پاکر اپنے پڑاؤ کی طرف روانہ ہونے لگا تو بچے کھچے مسلمان سپاہی پھر جمع ہونے لگے اور آنحضرت[1] بھی اپنے گڑھے سے نکلے اور اُحد پہاڑ کے مشرقی حصّے پر اپنے ساتھیوں کی مدد سے چڑھے[1] اور وہاں کے محفوظ غار میں جاکر آرام کیا جس میں ایک آدمی آرام سے لیٹ سکتا اور متعدد لوگ اس کے بازو بیٹھ سکتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی کی خبر پھیلی تو مسلمان سپاہی بھی اس غار کی طرف چڑھنے لگے۔ اس اجتماع کو دیکھ کر دشمن کے چند سپاہی متوجہ ہوئے مگر مسلمان بلندی پر تھے۔ اُن کی سنگ اندازی[2] کا مقابلہ ایک چھوٹی ٹکڑی نہیں کرسکتی تھی، اور اپنے ساتھیوں کو جاتا دیکھ کر انھوں نے اس آخری مورچے کو زیادہ اہمیّت بھی نہیں دی، اور خود بھی روانہ ہوگئے۔ آنحضرت کو خوف ہوا کہ کہیں یہ شہر مدینہ میں گھس کر وہاں لوٹ مار اور آتش زنی نہ کریں۔ مگر جب یہ خبر ملی کہ گھوڑوں کو کوتل بناکر دشمن اونٹوں پر سوار جارہا ہے تو یہ نتیجہ نکالا گیا کہ وہ لمبے کوچ کا ارادہ رکھتا ہے، مدینہ پر دھاوے کا نہیں[3]۔ آنحضرت پھر بھی مطمئن نہیں ہوئے اور اس خیال سے کہ دشمن اپنی غلطی پر نادم ہوکر پھر راستے سے واپس نہ پلٹے۔ آپؐ قریش کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے اور آٹھ دس[1] میل تک جاکر کافی عرصے راستے پر قیام کیا، اور جب اطمینان ہوگیا تو مدینے واپس آئے[4]۔

---

[1] ایضاً ص ۵۷۲، ۵۷۶ [2] ابن ہشام ص ۵۷۶ [3] ابن ہشام ص ۵۸۳ [4] ایضاً ص ۵۸۸۔

خندق

اُحد کی لڑائی میں قریش جیت تو گئے لیکن مدینے میں اپنا فوجی دستہ چھوڑ جاتے اور اپنے شامی کاروانوں کے راستے کی مستقل حفاظت کا اطمینان کرنے پر اُنھوں نے کوئی توجہ نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قریش اور اُن کے حلیف ہمراہیوں کے مدینے سے دور نکلتے ہی مسلمان اپنے گھروں میں آگئے، اور جلد ہی انھوں نے اپنا کھویا ہوا وقار نہ صرف حاصل کر لیا، بلکہ اپنے اثرات مشرق میں نجد تک[1] اور شمال میں کاروانوں کے جنکشن دُومۃ الجندل کے قریب تک پھیلا دیئے[2] اور قریش کا نہ صرف شام و مصر بلکہ عراق[3] کا راستہ بھی مؤثر طور سے بند کر دیا اور خود شہر مدینہ میں بھی وہاں کے یہودیوں کی روز افزوں جلاوطنی اور نو مسلم عرب قبائل کے توطن سے اُن کی حالت مُستحکم تر ہو گئی (دیکھئے میرا خصوصی مقالہ بعنوان "ہجرت" رسالہ سیاست حیدر آباد دکن جولائی ۱۹۴۹ء) یہودیوں کی جلاوطنی تازہ مشکلات کا باعث بنی۔ یہ لوگ مدینے کے شمالی علاقوں میں جا کر بسنے لگے، جیسے خیبر، وادی القُرا اور دیگر یہودی

---

[1] بیر معونہ و ذات الرقاع وغیرہ نجد ہی میں ہیں [2] ابن ہشام ص ۱۹۱ تا ۹۲ [3] ابن ہشام ص ۵۴۷ طبری ص ۱۳۷۴۔

نو آبادیاں جو شامی راستے پر فلسطین تک پھیلی ہوئی تھیں۔ غالباً دُومۃ الجندل میں بھی اُن کے خاصے اثرات تھے۔ کیوں کہ مدینے آنے والے تجارتی قافلے وغیرہ کے کاروانوں کو اب دومۃ الجندل میں بھی چھیڑا جانے لگا۔[1] ان یہودیوں نے اپنے معاشی اثرات سے ایک طرف تو غطفان[2] وغیرہ قبائل کو مدینے پر دھاوا بولنے کے لئے فراہم کر دیا اور دوسری طرف قریش کو بھی ان تیاریوں سے آگاہ کر کے مدینے پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کر دیا[3] اور یہ سب تیاریاں پوری مستعدی سے کوئی دو سال تک ہوتی رہیں اور شوال ۵ھ میں مدینے کی خندق کا محاصرہ کر لیا گیا۔

دومۃ الجندل میں مدینے آنے والے کاروانوں کو ستایا بلکہ روکا جانے لگا تو آنحضرت ﷺ نے خود ادھر روانہ ہوئے: تاکہ اس کانٹے کو راستے سے صاف کیا جائے[4] لیکن اثنا ہر دوران مہم میں آپ ﷺ کو اس مخالفانہ سازش اور جتھا بندی کا پتہ چل گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اب بہت جلد وار کیا جانے والا ہے۔ اسی لئے خلافِ معمول آپ آدھے راستے[5] سے مدینے واپس آ گئے اور شہر کی مدافعت کا انتظام کرنے لگے۔

اسلامی مؤرخ عام طور سے لکھتے ہیں کہ مدافعت کے مشورے میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ شہر کے اطراف ایک خندق کھودی

---

[1] التنبیہ والاشراف للمسعودی ص ۲۴۸ [2] ابن ہشام ص ۶۸۱ [3] البدایہ لابن کثیر ج ۴ ص ۶ [4] ایضاً [5] طبری ۱۴۶۵

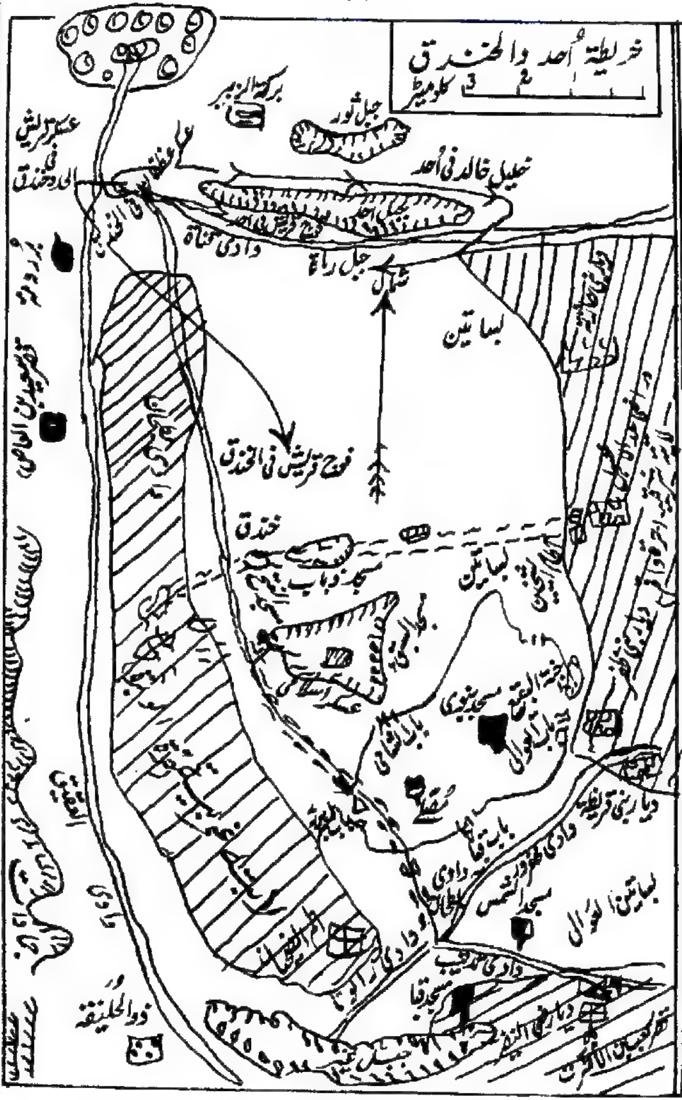
جائے جیسا کہ ایران میں رواج ہے۔ مکتوبات نبوی میں سے ایک میں جو مغازی الواقدی اور مقریزی کی "التخاصم بین بنی ہاشم و بنی امیہ" میں ملتا ہے۔ ابو سفیان نے طعنہ زنی کی کہ مقابلے کی جگہ قلعوں میں گھس بیٹھے ہو اور حیرت ظاہر کی کہ یہ نیا داؤں کس سے سیکھا۔ اس کے جواب میں آنحضرتؐ نے لکھا کہ خدا نے آپ کو یہ چیز الہام کی[1]

بہر حال جو بھی ہو۔ یہ امر واقعہ ہے کہ ۵ھ میں یورش کا مقابلہ آنحضرت نے ترقی یافتہ اصول جنگ سے کیا۔ کم وبیش یہی رائے آپ کی جنگ اُحد میں تھی کہ شہر میں محصور رہ کر مدافعت کریں۔ مگر نوجوان سپاہیوں اور افسروں کے اصرار پر آپ نے شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا تھا اور ستر مسلمانوں کی کثیر تعداد کا نقصان برداشت کرنا پڑا تھا[2]

واقدی[3] کا بیان ہے کہ دومۃ الجندل کی مہم سے واپس آنے اور خندق کی تجویز پختہ ہونے کے بعد آنحضرتؐ چند انصار و مہاجرین کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے اور شہر کے اطراف ان مقامات کا معائنہ فرمایا جو جنگ اور محاصرے میں اہمیت رکھ سکتے تھے اور اس مقام کی تلاش کی جہاں پڑاؤ ڈال کر مسلمان سپاہی اتر سکیں اور یہ طے ہوا کہ حسب معمول عورتیں، بچے، جانور، غلہ اور قیمتی اثاث البیت ان گڑھیوں میں منتقل کر دیئے جائیں جو مدینے کے اطراف میں سینکڑوں کی تعداد میں تھیں۔

---

[1] حوالے و متن میری "الوثائق السیاسیۃ" میں۔
[2] ابن ہشام ص ۵۵۸ وغیرہ [3] مغازی الواقدی ورق ۲۰۲۔ اب


خريطة أحد والخندق
كيلومتر
بركة الزبير
جبل ثور
وادي قناة
جبل الرماة
شمال
البساتين
فوج قريش في الخندق
خندق
مسجد ذباب
المسجد النبوي
مصلى
مسجد الشمس
البساتين العوالي
مسجد قباء
ديار بني قريظة
ذو الحليفة

اور جن کو آطام اور آجام کہا جاتا تھا، اور مسلمان سپاہی جبل سلع کے دامن میں خیمے لگا دیں اور اپنے سامنے ایک لمبی اور گہری خندق کھود دیں۔

شہر کے اطراف خاص کر جنوب میں باغوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ اور ان کے درمیان جو تنگ راستے تھے ان میں سے گزرنے کی کوشش دشمن کو صف کی جگہ قطار بنانے پر مجبور کرتی تھی اور ان راستوں میں چھوٹی چھوٹی چوکیاں بھی بڑی سے بڑی فوج کو روک دینے کے لئے کافی تھیں مشرق میں بنو قریظہ وغیرہ یہودیوں کے سینکڑوں مکان اور باغ تھے اور فی الوقت ان سے بہت اچھے تعلقات تھے اور ادھر سے بھی اطمینان سا تھا۔ شمال کا رُخ ہی سب سے خطرناک تھا۔ ایک حد تک مغربی رخ بھی۔ اس لئے آنحضرت کی ابتدائی تجویز کے مطابق شمال میں حرۂ شرقی اور حرۂ غربی کو ملاتی ہوئی ایک خندق کھدائی گئی جو نیم دائرہ بناتی ہوئی جبل سَلَع کے مغربی کنارے سے آ ملی[1] پھر مختلف قبائل نے اپنے محلّوں کی حفاظت کے لئے اپنے طور پر[2] اسے جنوب میں عیدگاہ میں (مسجد غمامہ یا مصلّی) کے مغرب سے گزارتے ہوئے کافی دور تک قبا کے رُخ میں بڑھا دیا۔ شہر مدینہ کی تاریخ میں مطری نے لکھا ہے کہ اب وادی بطحان راستہ بدل کر اس جگہ سے گزرنے لگی ہے۔ جہاں خندق کھودی گئی تھی[3]۔ واقدی[4] کا بیان ہے کہ قبا میں بھی بعض قبائل

---

[1] سمہودی دربیان خندق [2] مغازی الواقدی ورق ۱۰۳ ب [3] کتاب التعریف بما آنست الہجرۃ من معالم دار الہجرۃ بر موقع [4] مغازی ورق (۱۰۲-آ)

نے اپنے آطام کے اطراف خندق کھود دی - یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ خندق کو عبور کرنے کے لئے بعض جگہ "دروازے" (نہ کھدی ہوئی کم چوڑی زمین کی صورت میں) بھی رکھے گئے تھے لیکن وہ کس جگہ تھے۔ واقدی کو بھی معلوم نہ ہو سکا[1] قیاس چاہتا ہے کہ اس سے مراد وہ پہاڑیاں ہوں گی۔ جن کو خندق کے زنجیرے کی کڑیاں بنایا گیا تھا، اور یہ پہاڑیاں عبور و مرور کے لئے ممکن ہونے کے ساتھ ساتھ دیکھ بھال کی چوکیاں بھی تھیں۔ چنانچہ مسجد ذُباب اس کا اب بھی بقایا ہے۔ جس پر ابتداءً آنحضرت کے لئے ایک ترکی ڈیرہ[2] لگایا گیا اور پھر جہاں اس کی یادگار میں دروازے والی مسجد (زوباب) بنائی گئی جواب "ذُباب" کہلانے لگی ہے۔

غرض جیسا کہ بیان ہوا شہر مدینہ بکثرت محلوں پر مشتمل تھا اور ان محلّوں کے مابین کافی مسافت تھی اور یہ درمیانی زمین باغات اور نخلستانوں کی صورت میں تھی۔ جن کے اطراف اکثر صورتوں میں پتھر کی مستحکم اور خاصی بلند دیواریں تھیں جن کی وجہ سے خود باغوں کو "حائط" کہا جانے لگا! ایسے باغ اب تک مدینہ منورہ میں باقی ہیں۔ اور ان میں پختہ اور وسیع کنوئیں اب بھی اس قابل ہیں[3] کہ ان میں درجنوں لوگ اُتر کر چھپ جائیں اور ان

---

[1] ایضاً ذکران الخندق لاابواب فلستا زری این موضعہا [2] سمہودی تحت کلمہ (ذباب) طبری ص ۱۴۶۸ [3] مثلاً بیر رومہ اور باغ قوم بری قریب قبا

پختہ دالانوں اور حجروں سے جو کنووں کے اندرونی حصے میں بنائے گئے ہیں، گڑھیوں بلکہ چھوٹے قلعوں کا کام لیں (یہ کنوئیں حالت امن میں قیدیوں کے لئے مجلس کا کام بھی دیتے تھے جیسا کہ کتانی[1] نے بحوالہ عینی لکھا ہے کہ کانت السجون آبارا) اور مختلف محلّوں کے یہ باغ اور گھر باہم کچھ اس طرح متصل ہو گئے تھے کہ متعدد جگہ ڈواونٹ گزرنے کے قابل عریض گلیوں کے سوا کوئی اور گزرگاہ بھی نہیں تھی۔ یہ حالت خاص کر قبا کے یعنی جنوبی رُخ میں اب تک نظر آتی ہے عہد نبوی میں جب کہ یہ باغ بہت زرخیز حالت میں تھے ان کی حالت جو کچھ ہو گی اس کا اندازہ اس اقتباس سے ہوتا ہے جو سمہودی نے ابن اسحاق سے نقل کیا ہے۔

عن ابن اسحاق کان احد جانبی المدینة عورۃ وسائر جوانبها مشکّکة بالبنیان والنخیل لاتمکن العدو منها	ابن اسحاق سے روایت ہے کہ شہر مدینہ کا ایک رُخ کھلا ہوا تھا اور اس کے باقی رُخ عمارتوں اور کھجور کے گھنے باغوں سے گھرے ہوئے تھے جن میں سے دشمن گزر نہیں سکتا تھا۔
(وفاء الوفاء تحت کلمۂ درخندق)	

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

اسی ایک کھلے رُخ یعنی شمال کی جانب خندق کھودی جانی طے

---

[1] التراتیب الاداریہ ج ا ص ۲۹۸

ہوئی چنانچہ اولاً اس علاقے کی پیمائش کی گئی۔ پھر کام رضا کاروں کو بانٹا گیا اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ رضا کارانہ خدمت کی دعوت پر جب تین ہزار مسلمانوں نے لبیک کہی تو ہر دس دس آدمیوں کی ٹکڑی پر چالیس "ذراع" (جو شاید بیس گز کے مترادف ہے) لمبی خندق کھودنے کا کام سپرد ہوا[1] دوسرے الفاظ میں یہ خندق تقریباً ساڑھے تین میل طویل تھی۔ گہری اور چوڑی کتنی تھی۔ اس کا کوئی پتہ مجھے اب تک کسی کتاب میں نہیں ملا۔ لیکن اس کے کئی مرتبہ تذکرے ملتے ہیں کہ دشمن کے سوار خندق کُدا کر آنے کی کوشش میں ناکام رہے اور ایسی ہی ایک کوشش میں ایک سوار خندق کے اندر گر کر مرگیا[2] اس طرح کوئی تعجب نہیں جو دس گز چوڑی اور اتنی ہی گہری خندق کھودی گئی ہو۔

خندق کی کھدائی کے زمانے میں آنحضرت ؐ اپنا مکان چھوڑ کر خندق سے متصل ایک پہاڑی پر خیمہ لگا کر مقیم ہو گئے، جس کی یادگار آج تک مسجد ذُباب (اصل میں "ذوباب" یعنی دروازے والی مسجد) موجود ہے سپہ سالار اعظم کی یہ مستعدی ظاہر ہے کہ رائیگاں نہیں جاسکتی تھی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ رسول کریم ؐ نے دس آدمیوں کی ایک ٹکڑی میں خود بھی شرکت فرمائی۔ (اسی ٹکڑی میں سلمان فارسی رضؓ بھی تھے) اور کھدائی میں برابر

---

[1] کتانی ۱/ صفحہ ۲۹۸ طبری صفحہ ۱۴۶۶ وغیرہ [2] طبری ص ۱۴۷۶ مسند ابن حنبل ۱/۲۷۱ [3] عام لوگ دن بھر تو خندق کی کھدائی کرتے مگر رات اہل وعیال میں گزارتے (ابن ہشام صفحہ ۶۷۲)

کا حصہ لیتے رہے[1]۔

سلمان فارسیؓ ایک قوی ہیکل آدمی تھے اور کئی آدمیوں کے مجموعی کام کے برابر خود کرتے تھے (چنانچہ بقول واقدی جعل لہ[2] خمس ذرع طولا و خمس فی الارض) اس لئے ہر ٹکڑی کے لوگ چاہتے تھے کہ سلمان انہیں کے ساتھ ہوں۔ اس پر بروایت ابن ہشام وغیرہ رسول کریم نے فرمایا "سلمان منا اھل البیت" (یعنی نہیں، سلمان تو ہمارے اہل بیت کے ساتھ ہوں گے) اس جملے سے شاید یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ رسول کریمؐ کی ٹکڑی میں زیادہ تر اہل بیت نبوی کے افراد مثلاً حضرت علیؓ وغیرہ ہوں گے[3]۔ بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی آنحضرت کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ چنانچہ واقدی[4] اور شامی[5] نے ایک روایت نقل کی ہے کہ کثرت کار اور شب بیداری سے تھک کر ایک دن آنحضرت خندق کی کھدائی کے وقت آرام لینے لیٹ گئے تو:-

"ورائت ابا بکر و عمر واقفین علی راسہ (صلعم) ینحیان الناس ان یمروا"

راوی کہتے ہیں: میں نے ابوبکر اور عمر کو دیکھا کہ وہ آنحضرت کے سرہانے[6] کھڑے تھے اور لوگوں کو ہٹا رہے

---

[1] طبری ۱۴۶۵ تا ۱۴۶۶ [2] مغازی ورق ۱۰۳-ب) [3] مگر طبری ۱۴۶۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ انصار وغیرہ لوگوں ہی پر یہ جماعت مشتمل تھی [4] مغازی الواقدی ورق ۱۰۳-ب [5] سیرۃ شامی بر موقع [6] بر موقع۔

به فینبهه ...... تھے، ایسا نہ ہو کہ وہ آپؐ کے پاس سے گزر کر آپ کو بیدار کر دیں۔

اسی روایت میں ایک دلچسپ جملہ یہ بھی ہے :-

وکان ابوبکر و عمر لا	اور ابوبکرؓ و عمرؓ کبھی کام کرنے میں
یتفرقان فی عمل ولا مسیر	یا کہیں آنے جانے میں ایک دوسرے
ینقلان التراب فی ثیابهما	سے جدا نہیں ہوتے تھے، جلدی میں
یومئذ من العجلة اذلم	یہ مٹی کو اپنے کپڑوں میں ڈھوتے
یجدوا مکاتل لعجلة	تھے کیونکہ مسلمانوں کو جلدی میں ٹوکریاں
المسلمین	نہیں مل سکتی تھیں۔

ابن سعد[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ راتج (حرہ شرقی) سے جبل ذباب تک مہاجرین مامور تھے اور وہاں سے جبل بنی عبید اور فتح تک انصار۔ بعض تاریخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں نے بنو قریظہ کے یہودیوں سے کھدائی کا سامان مستعار حاصل کیا تھا[2]۔ اُس وقت تک بنو قریظہ کو اتنی ہمت نہ ہوئی تھی کہ اپنے دلی جذبات غداری کو ظاہر کریں کیونکہ دشمن ابھی آیا نہ تھا اور سلسلہ کے معاہدے کے تحت[3] وہ مدافعت مدینہ میں مسلمانوں کا ہاتھ بٹانے کے پابند تھے۔

۱؎ برموقع ۲؎ مغازی واقدی ورق ۱۰۲ اب)

۳؎ دستور مدینہ ۴۴

یہ کھدائی بعض بیانوں کے مطابق کوئی تین ہفتے[۱] جاری رہی۔ جب "سرکاری" خندق شمال میں مکمل ہونے لگی تو مختلف محلوں کے باشندے بھی دیکھا دیکھی اپنے طور پر اس سامان مدافعت سے استفادہ کرنے اور خندق کی اپنے محلے کے سامنے توسیع کرنے لگے اور اس طرح شہر کے مغرب میں بھی کوئی دو ڈھائی میل کی خندق کھد گئی۔ اس کے علاوہ بعض آطام کے گرد خندق کھودلی گئی جیسا کہ اوپر ذکر ہُوا۔

خندق کی کھدائی کے دوران میں رضا کار جو اشعار گاتے تھے ان میں سے بھی چند تاریخ نے محفوظ کئے ہیں[۲]۔

واقدی[۳] نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جو انسانی عناصر کے ہر زمانے میں پلٹے جانے پر دلالت کرنے کے باعث نقل کیا جا سکتا ہے وہ یہ کہ حضرت زید بن ثابت رضؓ جو اس وقت دس بارہ سال کے بچے ہوں گے، خندق کھودنے میں ہاتھ بٹانے لگے اور دھوپ اور محنت سے تھک کر ایک دن جو ذرا کہیں لیٹے تو آنکھ لگ گئی حضرت عُمارہ بن حزم بڑے ہنس مکھ اور چلبلی طبیعت کے تھے اُن کی جو نگاہ پڑی تو بچے سے بھی دل لگی نہ چھوڑی اور حضرت زید بن ثابت کا کھدائی کا سامان اور کپڑے چپکے سے اٹھا کر کہیں چھپا دیئے۔ ظاہر ہے کہ کوئی بڑا تو بیدار ہونے پر سمجھ جائے کہ کسی دوست کی شرارت ہے لیکن کسی کم سن جوشیلے کا اس "اپنی

---

[۱] [۲] ابن ہشام ص ۶۷۱ [۳] مغازی ورق ۱۰۳

کوتاہی اور "قصور" پر گھبرا جانا ناگزیر ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ایک طرف حضرت زید کو "الورقاد" کہہ کر ملامت کی (یعنی بڑا سونے والا) اور دوسری طرف حضرت عمار کو تنبیہہ کی کہ کن صورتوں میں مذاق نامناسب ہے خندق کی کھدائی ہر جگہ یکساں رفتار سے نہ رہی ہوگی۔ شمال میں پوڑ کی زمین آسانی سے کھدگئی ہوئی۔ حرۃ میں دشواری ہوئی ہوگی۔ چنانچہ سنگِ مرمر کی ایک چٹان سے رضاکار عاجز ہوکر یہ اجازت لینے آئے کہ پیمائشی جگہ سے خندق کو ذرا ہٹا دیں۔ آنحضرت کا اس چٹان کو خود آکر توڑنا مشہور واقعہ[1] ہے ایک اور واقعہ ابن ہشام ص۶۷۱ میں مذکور ہے۔

کھدائی مکمل ہونے لگی تھی کہ شوال میں دشمن بھی آپہنچا۔ آنحضرت نے فوراً عورتوں بچوں وغیرہ کو حسبِ معمول گڑھیوں میں بھیج دیا اور خود پوری فوج کے ساتھ جبل سلع پر پڑاؤ لگا کر مقیم ہوگئے اور آپ کا خیمہ بھی اب جبل ذباب سے جبل سلع کے ایک اہم مگر محفوظ مقام پر منتقل کر دیا گیا۔ آپ کی خیمہ گاہ پر اب مسجد فتح بطور یادگار پائی جاتی ہے[2] اور اسی کے قریب آپ کے سپہ سالاروں کے خیمے تھے۔ وہاں بھی مسجدیں تعمیر کی گئی ہیں، جو حضرت سلمان، حضرت ابوبکر، حضرت عثمان اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب ہیں اور یہ سب مساجد خمسہ کے نام سے مشہور ہیں

---

[1] طبری ص ۱۴۶۹ نیز ابن ہشام ص۶۷۳ [2] طبری ص۱۴۷۵ (لکھا ہے کہ بی بی عائشہ اُطم بنی حارثہ میں رہیں) طبری ص۱۴۷۶ [3] سمہودی وغیرہ۔

اور اب تک پائی جاتی ہیں۔

دشمن جیسا کہ معلوم ہے متعدد حلیف قبائل پر مشتمل تھا اور ان کے متحد کرنے اور چڑھائی پر آمادہ کرنے میں مدینے سے نکالے ہوئے یہود بنو النضیر نے بڑا حصہ لیا تھا۔ قریش نے احد کی فتح سے ہمت پاکر اور دیگر قبائل نے مال غنیمت کے لالچ میں مدینے کا محاصرہ کرنے کی ٹھانی۔ بنو نضیر نے جو اپنے پورے مال و دولت کے ساتھ خیبر اور دیگر مزید شمالی علاقوں میں جا بسے تھے، اپنے ہمسایہ عرب قبائل کو جن میں غطفان بہت اہمیت رکھتے ہیں، اپنے سرمایہ دارانہ اثرات سے متاثر ہو کر مسلمانوں کے خلاف ابھارا تھا۔ غرض یہودی کارندوں نے وہ تمام انتظامات طے کر دیئے جو مدینے کے شمال اور جنوب دونوں طرف سے آنے والے حلیفوں کے لئے وقت اور مقام وغیرہ کے سلسلے میں ضروری تھے۔ چنانچہ بقول واقدی (مغازی ورق ۱۰۱ تا ۱۰۲) خیبر کا ایک سال کا پورا کھجور غطفان کو دیا گیا تھا۔ غرض قریش اور کنانہ اور احابیش کے قبائل وادی عقیق کے قریب بڑ رومہ پر مقرر ہوئے[۱] اور غطفان اور بنو اسد اس سے کسی قدر مشرق میں وادی النعمان کے پاس ذنب نقمی نامی مقام سے جبل اُحد تک پھیل گئے ان مقاموں پر پانی اور گھاس کی کافی سہولتیں ہیں۔ گو بیان کیا جاتا ہے کہ فصلیں کٹ کر کافی عرصہ ہو چکا تھا (مغازی الواقدی ورق ۱۰۲)

---

[۱] طبری ابن ہشام وغیرہ [۲] ایضاً

مسلمان جبل سلع پر اور اس کے دامن میں مقیم تھے اور خندق کی باری باری سے ان کی ٹکڑیاں نگہبانی کرتیں اور پہرہ دیتیں[1] اور جب کبھی دشمن خندق کے کسی میدان پر نرغہ کرتا تو مسلمانوں کی فوج تیروں سے اس کا استقبال کرتی۔ دشمن کے سوار بھی خندق کی دوسری طرف منڈلایا کرتے اور غفلت کی تلاش میں رہتے۔ ایک آدھ مرتبہ دشمن کے بعض سردار اپنے عمدہ گھوڑوں کو خندق کدانے میں کامیاب ہو گئے[2] لیکن یہ ظاہر ہے کہ اکا دکا آدمی محصور مقام میں گھس آئے اور اُسے مدد دینے والے نہ آسکیں، تو اس جسارت پر خود انہی کو بھگتان بھگتنا پڑتا ہے اور خندق کے معرکے میں بھی یہی ہوا۔ بعض لوگ خندق کُدانے کی کوشش میں کھائی میں گر پڑے اور جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ ایک مرتبہ رات کے وقت مسلمانوں کی دو ٹکڑیوں کی مڈبھیڑ ہوئی اور ایک دوسرے کو نہ پہچان کر ہتھیار چلا ڈالے جس سے کچھ خون بہا اور چند زخمی ہوئے پھر اپنے معمولی شعار کے نعرے لگانے سے متنبہ ہوئے۔ رسول کریم کو اطلاع ہوئی۔ آپؐ نے مرنے والوں کو شہید قرار دیا اور مجروحوں کی جراحت فی سبیل اللہ، لیکن خون اور زخم پر

---

[1] مغازی الواقدی ورق (۱۰۵) والمسلمون علی خندقھم یتنا وبونہ سھم بضعۃ وثلاثون فرسا الفرسان یطوفون الخندق ما بین طرفیہ [2] طبری ص ۱۴۷۵ تا ۱۴۷۶

کوئی جرمانہ عائد نہ فرمایا[1]

محاصرے میں روزافزوں شدت ہوتی گئی تو مدینے کے مشرق میں رہنے والے بنو قریظہ (یہودیوں کا رنگ بھی بدلنے لگا اور افواہوں کی توثیق کے لئے آنحضرت نے جاسوس بھیجے اور انہیں راز میں سمجھا دیا کہ معاملہ دگرگوں دیکھو تو سب سے کہہ کر پریشانی میں اضافہ نہ کرنا بلکہ پیشگی معینہ (اور بظاہر اطمینان دہانی کے) الفاظ آنحضرت سے کہنا جس کا مطلب آپؐ تو سمجھ جائیں گے۔ مگر دوسرے سننے والے عوام بے خبر رہیں گے[2]۔ بنو قریظہ کی غداری کی توثیق تو ہو گئی لیکن یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ کب وار کرنے والے ہیں اور چونکہ ان کو مسلمانوں کے پیچھے سے گھس آنے یا شہر مدینہ کے لوٹ لینے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی اس لئے حضرت ابو بکرؓ کا بیان[3] ہے۔

ولقد کنت ارانی علی سلع فانظر الی	میں بار بار جبل سلع کی چوٹی پر چڑھ
بیوت المدینۃ فاذا رأیتھم	کر نظر دوڑاتا اور جب مدینے کے
ھادئین حمدتُ اللہ۔	گھروں کو پرسکون پاتا تو خدا کا شکر کرتا۔

اب صورت حال جتنی خطرناک ہو گئی تھی ظاہر ہے قرآن تک میں

---

[1] الذخیرۃ البرہانیہ برہان الدین المرغینانی (مخطوطہ ینگی جامع استانبول) باب ۲۳ فی المسلم یقتل اصحاب فیما یقاتل" اسکے برخلاف جنگ اُحد میں حارث بن سوید منافق نے المجذر بن ذیادؓ کو عمداً قتل کر دیا تھا اور پتہ چلنے پر جناب رسالتمآب نے قصاص کا حکم صادر فرمایا (کتاب المحبّر لابن حبیب ص ۴۶۷)

[2] طبری ص ۱۴۷۳ نیز ابن ہشام ص ۶۸۳ وغیرہ [3] مغازی الواقدی ورق (۱۰۵)

اس کا نقشہ پُر درد الفاظ میں کھینچا گیا ہے

إِذا جاء وکم من فوقکم	جب وہ تمہاری طرف آئے تو تمہارے
ومن اسفل منکم واذا زاغت	اوپر سے اور تمہارے نیچے سے اور
الابصارُ و بلغت القلوبُ الحناجِ	نظریں خیرہ ہوگئیں اور کلیجے منہ کو آنے
وتظنّون باللہ الظنو نا ھنالك	لگے اور تم خدا سے متعلق عجیب بدگمانیاں
ابتلی المومنون وزلزلوا	کرنے لگے اس موقع پر ایمان والوں
زلزالا شدیداہ	کی آزمائش ہوئی اور ان میں ایک
	شدید زلزلہ بچ گیا۔

اس وقت فوری کاروائی کی ضرورت تھی۔ آنحضرتؐ نے خفیہ قاصد غطفانیوں اور فزاریوں کے سردار حارث بن عوف اور عینیہ بن حصن کے پاس بھیجے اور ان سے معاہدہ کرلینا چاہا کہ وہ مدینے کے کھجوروں کی فصل کا معقول حصہ لے کر محاصرے سے دست بردار ہو جائیں۔ مگر شرطیں کڑی تھیں اور مسلمان ان پر آمادہ نہ ہوئے اور لکھی ہوئی دستاویز معاہدہ مٹا دی گئی[1]۔

اب واحد چارۂ کار حلیفوں میں پھوٹ ڈالنا اور غلط فہمی پیدا کرنا تھا۔ کئی ہفتوں کے قیام کے باعث محاصرہ کنندوں کا آذوقہ ختم ہو چلا تھا۔ اور ان کے پاس آنے والی رسد بھی مسلمانوں نے لوٹ لی تھی[2] اس

---

[1] ابن ہشام ص ۶۷۶ طبری ص ۱۴۷۶ [2] شامی کے مطابق حیی بن اخطب نے بیس اونٹ جَو اور کھجور اور بھوسے سے لا د کر بھیجے تھے جو مسلمانوں کی ایک طلایہ گرد ٹولی کے ہاتھ پڑ گئے۔

لئے وہ بنی قریظہ کو جلد حملہ کرنے پر مجبور کرنے لگے۔ مسلمان فوج تین ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ قریش وغیرہ محاصرہ کرنے والے چھ سات ہزار تھے۔ بنو قریظہ میں ڈیڑھ ہزار سے زیادہ سپاہی تھے۔ خندق اتنی طویل تھی کہ مسلمان ادھر سے اپنی جمعیت کو گھٹانے اور بنو قریظہ سے مقابل ہونے کا خیال بھی نہ کر سکتے تھے۔

آنحضرت نے چند نو مسلم کارندے بنو قریظہ کے پاس بھیجے جن کا اسلام لانا ابھی مشہور نہ ہوا تھا۔ انھوں نے بنو قریظہ میں اپنے دوستوں سے کہا کہ قریش کا جیتنا سو فی صد تو یقینی نہیں۔ تم نے اگر محمدؐ سے خواہ مخواہ جھگڑا مول لیا اور قریش محاصرہ محاصرہ اٹھا کر چلتے بنے تو پھر تم تنہا محمدؐ سے کیا مقابلہ کرو گے؟ بہتر ہو کہ تم قریش سے چند یرغمال مانگو کہ وہ لڑائی کو انتہا تک جاری رکھیں گے۔ یہ چیز جب ان کی سمجھ میں آ گئی تو یہی کارندے قریش وغیرہ حلیفوں میں پہنچے اور مشہور کیا کہ بنو قریظہ اور آنحضرت میں سازباز ہو گئی ہے اور وہ قریش کے سرداروں کو کسی بہانے اپنے پاس بلا کر آنحضرتؐ کے سپرد کر دینا چاہتے ہیں اتنے میں بنو قریظہ کے سفیر پہنچے اور اپنے حملے سے پہلے چند یرغمال طلب کئے تو فوراً قریش کو یقین آ گیا کہ ان کی آنحضرت سے سازباز کی خبر صحیح ہے (ابن ہشام وغیرہ، برموقع)

ایک اور شخص کو آنحضرتؐ نے یہ باور کرنے کا موقع دیا کہ بنو قریظہ

۱؎ اصابہ میں واقعہ مسعود التمام ۲۰۷۴ء

کا یہ غمال مانگنا آنحضرتؐ ہی کے حکم سے ہے، اور جب اس نے وہ اطلاع قریش کو دی تو پھر انہیں ذرا بھی شبہ نہیں رہا اور یہودیوں سے کشیدگی اور کبیدگی حد کو پہنچ گئی۔

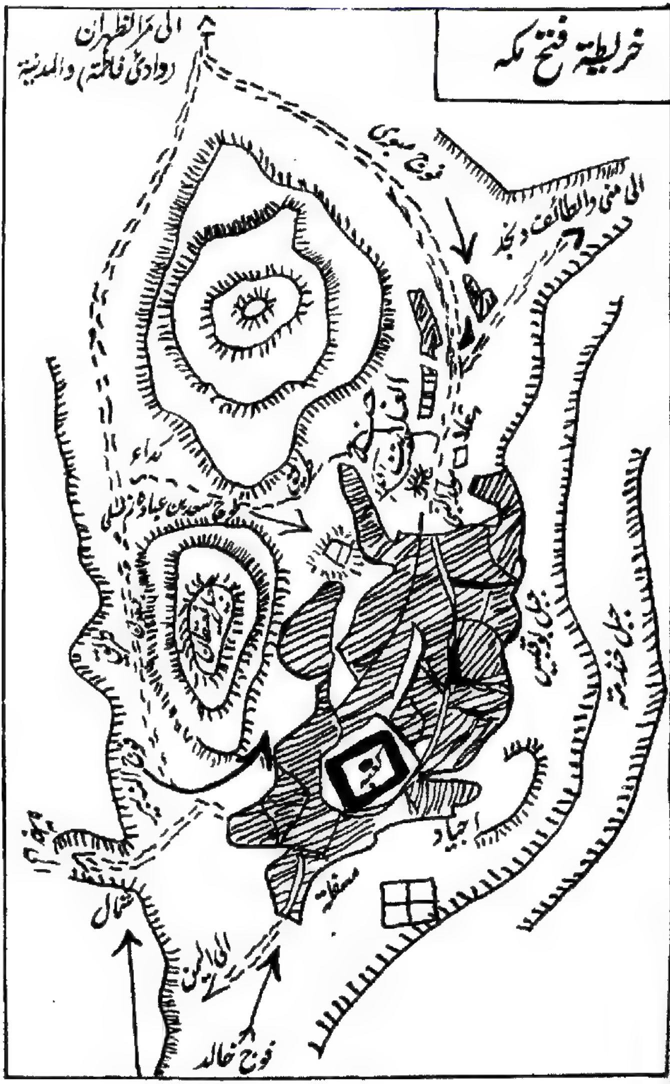
اس اثنا میں شوال کا مہینہ ختم ہوچلا اور ذیقعدہ سرپر آگیا جو اشہر حرم کا آغاز تھا جس میں قریش مذہباً جنگ نہیں کرسکتے تھے[۱] فتح کے امکانات نہ رہے۔ اتنے میں موسم بھی خراب ہوگیا، بارش، طوفان، سردی وغیرہ سے محاصرہ کنندہ پریشان ہونے لگے اور آخر بیزار ہوکر ابوسفیان نے پیشقدمی کی اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ روانہ ہوگیا۔ اس پر دوسرے قبائل بھی بے بس ہوگئے اور یکے بعد دیگرے سب چلتے بنے[۲] اور مطلع صاف ہوگیا۔

فتح مکہ

جیسا کہ ایک حدیث میں بیان ہوا ہے، محاصرۂ خندق کے اختتام پر رسول کریمؐ نے محسوس فرمالیا کہ اب قریش کی چڑھائیاں ختم ہوچکیں اور ان کی قوت بھی۔ چنانچہ اس کے بعد سے مسلمانوں کے اقدام کا موقع

---

[۱] میری رائے میں محاصرے کی برخاستگی کی بڑی اور اصل وجہ یہی ہوگی ورنہ محض طوفان ابوسفیان جیسے مستقل مزاج شخص کو اپنی دھن سے پلٹنے میں شاید کامیاب نہ ہوتا۔ [۲] ابن ہشام ص ۶۸۳ تا ۶۸۴ طبری صفحہ ۱۴۸۴ ابن سعد ج ۲ ص ۵۰


خریطة فتح مکة
الی مر الظہران (وادی فاطمة) والمدینة
الی منی والطائف ونجد
کداء
فوج سعد بن عبادة ثم علی
جبل ابو قبیس
جبل خندمة
اجیاد
مسفلة
شمال
الی الیمن
فوج خالد

نکل آیا اور قریش صرف مدافعت کرنے لگے۔ اس تبدیلی صورت حال کے متعدد وجوہ تھے اور صرف بدر اور خندق میں قریش کی ناکامی فیصلہ کن امر نہ تھی۔

اصل میں آنحضرت نے دشمن کو نابود کرنے کی جگہ مجبور کرنا پسند فرمایا۔ اس کے لئے دو تدبیریں تھیں، ایک تو قریش کو معاشی دباؤ سے بے بس کر دینا اور دوسرے اپنی فوجی قوت اتنی بڑھا لینا کہ دشمن مقابلے کی جرأت ہی نہ کر سکے اور بغیر خون بہائے مقصد حاصل ہو جائے۔

وادی غیر ذی زرع کے رہنے والوں کا واحد ذریعۂ معاش نہیں تو سب سے بڑا ذریعہ "رحلۃ الشتاء والصیف" تھا۔ ہجرت کے دو چار مہینے کے اندر ہی آنحضرت نے "رحلۃ الصیف" یعنی شمالی راستہ جو ینبوع کے قریب سے مصر و شام کو جاتا تھا، وہاں کے قبائل سے حلیفی کر کے قریش کے لئے تنگ بلکہ بند کر دیا۔ چنانچہ مدینہ اور ینبوع کے مابین بسنے والے قبائل کے معاہدے تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں[1] اس کے بعد اسلام کے پھیلنے اور آنحضرت کے فتوحات نے اسلامی اثرات نجد تک بھی پھیلا دیئے اور عراق کا راستہ بھی قریش کے لئے بند ہو گیا[2] طائف اور یمن کا راستہ پوری طرح بند نہ ہوا لیکن بین الاقوامی تجارت جو یمن اور مکے کے راستے ہندوستان سے یورپ کو ہوتی ہے

---

[1] دیکھئے الوثائق السیاسیہ [2] ابن ہشام ص ۵۴۷

اس کا گزرنا بند ہونے سے قریش کو تجارت وغیرہ کے سلسلے میں جو آمدنی ہوتی تھی وہ بھی بند ہوگئی۔ ایک موقع پر ایک لاکھ درہم کی چاندی قریش کے کارواں میں سے مسلمانوں نے لوٹ لی تھی[1] غالباً یہ اسی بین الاقوامی حمل و نقل سے متعلق ہوگی جنگِ خندق کے بعد اسلامی اثرات نجد سے گزر کر یمامہ تک پہنچ گئے جہاں سے قریش کے لئے غلے کی درآمد ہوتی تھی اور ثمامہ بن اُثال کے اسلام سے یہ درآمد بھی روک دی گئی تو مورخین کے بیان کے مطابق مکے میں قحط پڑ گیا[2] اس قحط کی ایک وجہ غالباً یہ بھی تھی کہ اسی زمانے میں امساک باراں کی وجہ سے حجاز میں خشک سالی تھی۔ آنحضرت نے ایک دفعہ فقراء مکہ میں تقسیم کرنے کے لئے جو پانچ سو دینار بھیجے تھے اور جس پر ابوسفیان نے کہا تھا کہ یہ مکے والوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے ہے[3] وہ غالباً اسی زمانے سے متعلق ہے۔
ان سب سے بھی زیادہ مؤثر بات یہ ہوئی کہ رفتہ رفتہ قریش کے حلیف ان کا ساتھ چھوڑنے لگے، اور یا تو وہ مسلمان ہوگئے یا بے بس ہوگئے اور مکے کے چاروں طرف اسلامی قبائل پیدا ہوگئے خیبر ۶ھ میں تباہ ہوگیا اور طائف جس سے قریش کو بڑی امیدیں تھیں فتح مکہ کے

---

[1] طبری س ۳ھ غزوۃ القردۃ ص ۱۲۷۵

[2] ابن ہشام ص ۹۹۷ نیز استیعاب ص ۲۷۵

[3] مبسوط سرخسی ۱۰/۹۱

زمانے میں صرف تیاریوں میں مصروف رہا اور رمضان ۸ھ میں جب اچانک اسلامی فوجوں نے مکّے کے پہاڑوں کے نیچے پہنچ کر پڑاؤ ڈالا تو قریش یکہ وتنہا تھے اور خود اُن کا سب سے بڑا سردار ابوسفیان بعض اتفاقات سے مسلمانوں کے پڑاؤ میں جاکر پھنس چکا تھا۔[1]

یہاں صرف اشارۃً یہ بتادینا کافی ہے کہ معرکۂ خندق کے دوسرے سال ذی قعدہ ۶ھ میں آنحضرت مکّہ گئے اور قریش کی منہ مانگی شرطیں قبول کرکے دس سال کے لئے ان سے صلح کرلی اور صرف اُن سے یہ چاہا کہ وہ اسلامی جنگوں میں غیر جانبدار[2] اور مثلاً خیبر کے یہودیوں کی مدد نہ کریں چند ہی دنوں میں مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلے (خزاعہ) سے قریش نے جھگڑا مول لیا اور خونریزی کی[3] تو آنحضرت نے "دس ہزار قدوسیوں[4]" کا ایک لشکر جرّار تیار فرمایا اور "جلسِ طریق[5]" کرکے اور اپنا مقصد فوج پر نہ ظاہر کرکے بلکہ دکھا دینے کے لئے چکر کھاکر اور نامعلوم راستوں سے گزر کر مکّہ[6] پہنچے تو قریش کو رات کے وقت پڑاؤ کے چولہوں کی روشنی سے پتہ چلا ورنہ وہ اب تک بالکل بے خبر تھے۔ ابوسفیان نے اسلامی فوج

---

[1] ابن ہشام ص ۸۱۱ تا ۸۱۵ [2] صلح نامۂ حدیبیہ کا متن سیرۃ ابن ہشام الوثائق السیاسۃ وغیرہ میں ہے۔ [3] ابن ہشام ص ۸۰۵ [4] ابن ہشام ص ۸۱۰-۸۲۸

[5] کتاب الخراج لابی یوسف ص۱۵۱ (ص۲۵۳ طبع جدید)

[6] طبری ۸ھ ص۱۶۳۰ وغیرہ۔

میں گھر جانے کے بعد اپنی بے بسی دیکھ کر اسلام کا اظہار کیا اور جان بچالی لیکن آنحضرت نے ان کو نگرانی میں رکھا اور اس وقت تک رہا نہ کیا جب تک کہ اسلامی فوج حملے کے لیئے روانہ ہو کر صورت حال یہ نہ ہوگئی کہ قریش کے لئے اپنی قوتوں کو جمع کرنا ناممکن ہوگیا۔ مرعوب دل ابوسفیان نے آکر گھبراہٹ کو مکمل کر دیا اور یقین دلایا کہ مقابلہ بے سود ہے اور یہ کہ ہتھیار ڈال دینے، خانہ نشین ہو جانے، ابوسفیان کے گھر میں پناہ لینے یا قومی معبد (کعبہ) کے احاطے میں جہاں خون ریزی کی کسی کو جرأت نہ ہو سکتی تھی۔ چلے جانے پر آنحضرت نے ان کو امن دینے کا وعدہ کیا ہے[۱] ایک طرف ناقابلِ مقابلہ زبردست قوت اور دوسری طرف اس نرمی اور رحم دلی کی خبروں نے لڑائی کی نوبت نہ آنے دی، اور قریش نے اپنے شہر پر خاموشی سے آنحضرت[۲] کا قبضہ ہو جانے دیا۔ البتہ مکے پر چڑھائی اور فوجی نقل و حرکت کی تفصیل یہاں ضروری ہوگی۔

مکہ معظمہ ایک وادی میں واقع ہے، جس کے ہر طرف اونچے اور دشوار گزار پہاڑ ہیں۔ صرف ایک بڑا راستہ ہے جو شمالاً جنوباً شہر میں سے گزرتا ہے، اور دو ذیلی رستے ہیں جو اس بڑے راستے میں آکر مل جاتے ہیں یعنی طریق حجوں اور طریق کدا۔ فوج کا بڑا حصہ جناب رسالت مآب

---

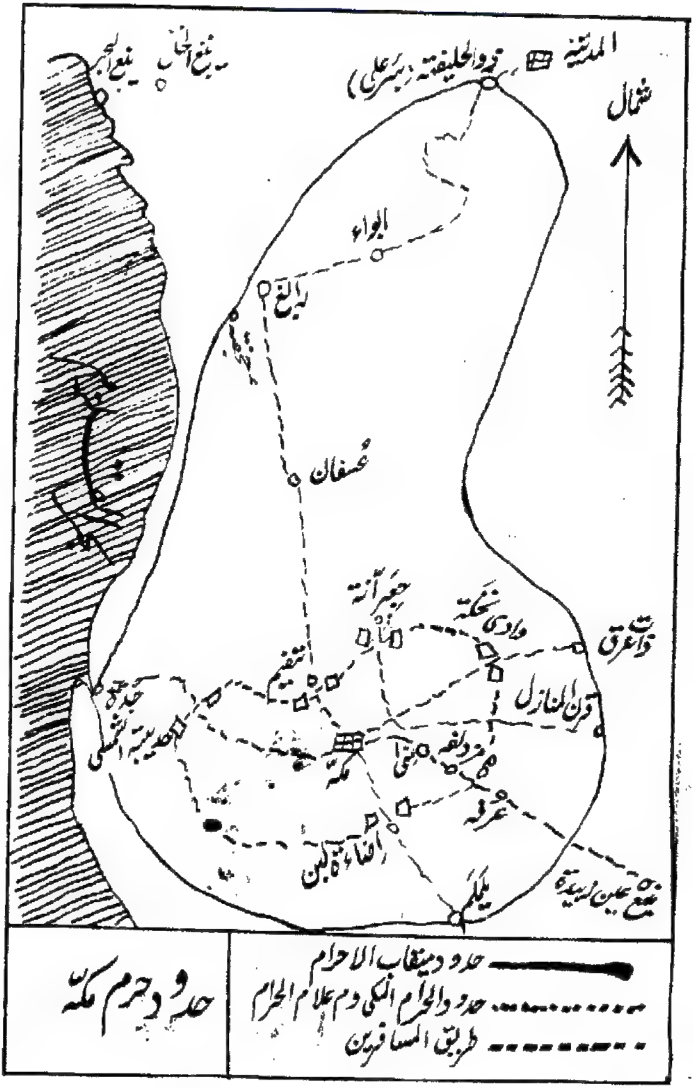
[۱] ابن ہشام ص ۸۱۲ [۲] ابن ہشام ص ۸۱۵ مبسوط السرخسی ج ۱۰ ص ۳۹ الی یوسف ص ۱۳۱ البنیہ للمسعودی ص ۲۶۷

کے ساتھ عام شمالی راستے یعنی معلات کی طرف سے بڑھنے لگا[1] کچھ فوج حضرت الزبیر بن العوام کے تحت طریق کداء سے بڑھائی گئی[2] تاکہ وادی فاطمہ کی راہ ساحل کی طرف جانے والی گزرگاہ کھلی نہ رہے۔ ایک اور مضبوط دستہ سیف اللہ خالد بن الولید کو دے کر جنوبی راستہ یعنی مسفلہ کی راہ لیط کی طرف سے شہر میں بڑھنے کا حکم دیا[3] ایک اور فوج حجون کے راستے بڑھائی گئی[4] ادھر سے ایک رستہ جدہ جاتا ہے اور ایک شاہ راہ جنوب میں یمن کی طرف جاتی ہے اور ہر معرکے کی طرح مسلمانوں کے لئے شعار (دواچ ورڈ) بھی مقرر کردیئے گئے تھے (ابن ہشام ۸۱۸)

جس صبح کو کوچ تھا۔ اس سے پہلے کی رات کو آنحضرت نے حکم دیا تھا کہ ہر مسلمان سپاہی پڑاؤ پر ایک آگ روشن کرے۔ جب دور سے قریش نے ان دس ہزار چولھوں کو دیکھا تو ان کے چھکے چھوٹ گئے کہ حج کے زمانے میں منا میں جو کیفیت ہوتی ہے[5] وہی نظر آتی ہے، اور انہوں نے خیال کیا کہ جتنے چھپے ہیں۔ اس سے کئی گنا زیادہ ہی لوگ ہوں گے ان کے اچھے اچھے افسر یا تو مر چکے تھے (مثلاً ابوجہل وغیرہ) یا مسلمانوں میں مل گئے تھے (جیسے حضرت خالد بن الولید اور حضرت عمرو بن العاص) یا اس وقت انہیں مشورہ دینے والے موجود نہ تھے (جیسے حضرت ابوسفیانؓ

---

[1] ابن ہشام ص ۸۱۷ [2] ایضاً ص ۸۱۶ [3] ابن ہشام ص ۸۱۶ [4] طبری ص ۱۶۳۵ [5] بعض روایتوں (مثلاً ابن ہشام ص ۸۱۲) میں قبیلۂ خزاعہ کے پڑاؤ کی آگ کو بھی اس کے سامنے حقیر ٹھہرایا گیا ہے۔


المدينة
ذو الحليفة (بئر علي)
شمال
ينبع البحر
ينبع النخل
ابواء
رابغ
عسفان
جعرانة
وادی نخلة
ذات عرق
قرن المنازل
تنعیم
حد جدة
الحديبية الشميسي
مكة
منى
مزدلفة
عرفة
اضاة لبن
يلملم
حدود ميقات الاحرام
طريق المسافرين
حدود حرم مكة

پچھلی جنگوں کی مسلسل ولا حاصل زحمتیں، معاشی دباؤ کی تکلیفیں، حریف کی اچانک کثیر تعداد میں آمد پہ نفسیاتی تردد جب کہ حلیفوں کو مدد کے لئے بلانے کا موقع نہ تھا، ابوسفیان کا آخری لمحے میں آکر مقابلے کو بے سود بتانا اور آنحضرت کے رحم دلانہ اعلان معافی کا تذکرہ کرنا، یہ تمام امور اور دیگر واقعات نے قریش کو آمادہ کیا کہ ہتھیار نہ چلائیں اور اپنے آپ کو اپنے سابق ہم شہری کے رحم وکرم کے سپرد کر دیں :-

دس برس کی شبانہ روز جسمانی اور روحانی کاوشوں کے بعد مکے کا جلاوطن اب وہیں فاتحانہ انداز میں داخل ہو رہا تھا، مگر کس انداز سے ؟ کسی جبّار فاتح کی طرح اکڑتے، سینہ تانتے اور مسبّب حقیقی کو بھلا کر نشۂ خود پرستی میں سرشار ؟ نہیں بلکہ ابن ہشام (ص ۸۱۵) کے مطابق شرماتے، بارگاہِ خداوندی میں سرِ نیاز جھکاتے اور بار بار اونٹنی کے کجاوے ہی پر سجدۂ تشکر ادا کرتے ہوئے، اور پچھلی مالی و روحانی اذیتوں پر انتقام کے خیال کی جگہ لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطُّلَقَآءُ[۱] (آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو) کے عفو اور عام درگزر کا اعلان کرتے ہوئے جو الفاظ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ[۲] کے اُدخلوا ھٰذہ القریۃ فکلوا منہا حیث شئتم رغداً وادخلوا الباب سُجّداً وّ قُوْلُوا حِطّۃٌ (اس شہر میں

---

[۱] طبری ۸ھ ص ۱۶۴۲ [۲] رہبر دکن یوم فتح مکہ نمبر رمضان ۱۳۵۸ھ نیز دیکھو تاریخ طبری ص ۲۵۳۲ تا ۳۳

داخل ہو، اور جیسا چاہو کھاؤ لیکن دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور معافی معافی کہتے ہوئے داخل ہوؤ کی خالص اسلامی شان کا مکمل مظاہرہ تھا۔

فوج کی صف بندی اور معائنہ، بدر واُحد جیسی ابتدائی لڑائیوں تک میں آنحضرت ملحوظ رکھتے تھے۔ فتح مکہ[1] تک فوج میں اتنا کچھ ضبط اور تنظیم پیدا ہو چکی تھی کہ اب یہ کام ایک خصوصی افسر صف آرائی (وزاع)[2] کے سپرد کر دیا جا سکتا تھا اور اس کے ذریعے سے احکام کی پوری تعمیل ہوتی تھی۔ فوج میں خبر رسانی کے مکمل انتظامات تھے، اور سپاہیوں اور افسروں کی رتی رتی بات کی اطلاع ملتی رہتی تھی۔ معمولی چیزوں کو نظر انداز کر دیا جاتا تھا اور اہم امور میں فوری تدارک عمل میں لایا جاتا تھا۔ چنانچہ مکے پر چڑھائی کی آخری نوبت میں جب[3] ایک افسر نے یہ خیال آرائی کی کہ اب مکے کا سر نیچا کیا جائے گا اور اُسے لوٹ لیا جائے گا۔ تو فوراً اُسے علیحدہ کر کے کمان دوسرے افسر کے سپرد کر دی گئی اور عام منادی کرادی گئی کہ مکہ معظمہ اور قبلۂ مسلمانان کا سر نیچا نہیں بلکہ اس کی عزت میں آج سے مزید اضافہ ہو گا اور شہر میں ہر طرح امن وامان ملحوظ رکھا جائے گا۔ فوج کی تنظیم اپنے فطرتی رجحانات کے مطابق تھی اور ہر قبیلہ اپنے ہی افسروں کی سرکردگی میں کارگزار تھا۔ مہاجرین، انصار، اسلم، غفار وغیرہ کے رضاکار سب کے الگ الگ دستے تھے لیکن ایک ہی کل پرزوں کی طرح ہم آہنگی کے ساتھ کام کرتے تھے۔

---

[1] ابن ہشام ص ۸۱۵ [2] ابن ہشام ص ۸۱۶ [3] ابن ہشام م ص ۸۱۴

حُنین اور طائف

یہ عجیب بات ہے کہ حُنین کا مشہور اور اہم میدانِ جنگ جس کا قرآن میں نام کے ساتھ ذکر ہے، صدیوں سے گوشۂ گمنامی میں چلا گیا ہے اور پرانے جغرافیہ نگاروں کو یہ تک نہ معلوم ہو سکا کہ حنین کس جگہ واقع تھا۔ وہ مختلف روایتیں بیان کرتے ہیں جن میں باہم تطابق کی کوئی صورت نہیں اور مجبوراً اُن کے باہم تعارض کے باعث سب ہی کو ساقط اور نظر انداز کر دینا پڑتا ہے۔ حالیہ سالوں میں متعدد اہلِ علم سیّاحوں نے اس جگہ کا پتہ لگانے کی کوشش کی اور ۱۳۷۵ھ کے اواخر میں حج کے زمانے میں آٹھ سال کے وقفے کے بعد میں نے اس کی دوسری مرتبہ جستجو کی، اور اب کی دفعہ ساتھ ستّر میل کی مسافت گدھے پر طے کرنے کے باوجود بھی گوہرِ مراد، افسوس سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہاتھ نہ آیا۔

اصل میں ہم لوگ اب تک حنین کو مکّے اور طائف کے بیچ میں ڈھونڈتے رہے ہیں اور اب میں افسوس کرتا ہوں کہ یہ قصور ہمارا ہی ہے کہ مقصد کو نہیں پہنچتے۔ سب لوگ جانتے اور مانتے ہیں اور احادیث میں بھی صراحت سے ذکر ہے کہ سوائے تبوک کے موقع کے آنحضرت ہمیشہ فوجی مہموں میں توریہ (دکھاوا) فرمایا کرتے تھے اور غیر سمت میں چل کر نا مانوس

اور سنسان راستوں سے گزر کر دشمن کو انجان جان لیتے تھے۔ اس لئے یہ قطعاً غیر یقینی ہے کہ آنحضرت مکے سے طائف کو سیدھے راستے سے گئے ہوں۔

یوں بھی سیرت نبویہ کی کتابیں بتاتی ہیں کہ حنین کی لڑائی جبل اوطاس[1] کے دڑوں اور پیچ در پیچ وادیوں کے قریب ہوئی۔ دوسری اہم تفصیل ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ حنین سے فارغ ہو کر جب آنحضرت طائف کا محاصرہ کرنے روانہ ہوئے تو نخلہ یمانیہ اور قرن سے ہوتے ہوئے پہلے مقام لیہ پر پہنچے[2] اور وہاں سے آگے بڑھ کر خاص طائف کی فصیل کے نیچے آ ٹھہرے۔

یہ دونوں تفصیلیں بڑی اہم ہیں، اوّلاً اوطاس کے متعلق یہ یاد رہے کہ اس نام کا پہاڑ یا وادی نہ تو مکے اور طائف کے بیچ میں کہیں واقع ہے اور نہ طائف کے آس پاس کسی جگہ۔ البتہ خدا بخشے سلطان عبدالحمید خاں ثانی کو انہوں نے حجاز ریلوے ڈالی تو انجینیروں سے ایک نقشہ بھی تیار کرایا اس نقشے میں مقام اوطاس طائف کے شمال مشرق میں کوئی تیس چالیس میل پر اب تک بھی مشہور ہونا بتایا گیا ہے۔

وادی لیہ قدیم سے بڑی مشہور جگہ ہے اور میں نے اسے شہر طائف کے تقریباً مشرق جنوب مشرق میں کوئی چھ میل پر ایک زرخیز اور آباد گاؤں پایا۔

---

[1] ابن ہشام ص ۸۴۰ و مابعد [2] ابن ہشام ص ۸۷۲

ایک اور اہم چیز جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ ہوازن کا قبیلہ اب بھی موجود ہے، اور یہ طائف سے وہاں کے لوگوں کے بیان کے مطابق کوئی تین دن کے فاصلہ پر رہتا ہے، اور اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو یہ اسی سمت میں رہتے ہیں۔ جدھر مقام اوطاس نقشہ حجاز ریلوے میں بتایا گیا ہے۔

اب رسول کریم کی فوجی نقل وحرکت بہت صاف سمجھ میں آجاتی ہے اور وہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہوازن کو قلعہ بند شہر طائف میں پہنچنے سے روکا جائے۔ آپ مکے سے تقریباً شمال میں روانہ ہوتے ہیں۔ اور نصف دائرہ سا راستہ بنا کر حنین پہنچتے ہیں اور تھوڑی سی دشواری کے بعد دشمن کو تتر بتر کر کے اور ان کے بیوی بچوں اور مال مویشی کو گرفتار کر کے حفاظت سے مکے کی سمت روانہ کر دیتے ہیں۔ پھر اسی طرح چکردار راستے سے آگے بڑھتے ہوئے اوطاس سے ہو کر لیہ پہنچتے ہیں اور وہاں کی گڑھی منہدم کر دیتے ہیں (ابن ہشام ص ۸۷۲) اس کی فتح اہل طائف کے لئے بڑا معاشی دکھ پہنچاتی ہے اور پھر آگے بڑھ کر طائف کو ایک ایسے رخ سے آکر گھیر لیتے ہیں، جدھر وسیع میدان ہے اور پڑاؤ وغیرہ کی سہولت ہے۔ مگر جدھر سے آپؐ کے آنے کا اہل طائف کو گمان نہیں ہو سکتا تھا۔

حنین غالباً جبل اوطاس کی ایک وادی کا نام تھا۔ میں غلط فہمیوں میں مبتلا رہ کر سفر حجاز کے مواقع پر ادھر نہ جا سکا۔ اس لئے وہاں

کی تفصیل دینی ممکن نہیں ہے۔ اصابہ (۲۰۲۶) میں ایک شخص کے اس موقع پر افسر مال غنیمت مقرر ہونے کا ذکر ہے جو یقیناً ہر لڑائی میں ہوتا ہوگا۔ چنانچہ جنگ بدر کے سلسلے میں بھی ابن ہشام (ص ۴۵۷) نے اس کا ذکر کیا ہے۔

طائف تقریباً تین ہزار فٹ کی بلندی پر ایک سطح مرتفع ہے۔ مکے سے وہاں پہنچنے کے تین راستے ہیں۔ قریب ترین راستہ جو عرفات سے گزر کر جبل کرا کے دامن میں پہنچتا ہے۔ اور پھر ایک دشوار پہاڑی چڑھائی کے بعد طائف پہنچا دیتا ہے، وہ صرف گدھوں کے ذریعے سے طے کیا جا سکتا ہے، یہ تقریباً پچاس ساٹھ میل ہوگا اور عصر کو سوار ہوں تو آدھی تک چل کر صبح تک وقفہ لیتے ہیں۔ پھر ظہر تک طائف پہنچ جاتے ہیں۔ دوسرا راستہ جو جعرانہ سے گزرتا ہے اونٹوں کے راستے سے طے ہوتا ہے، مجھے اس کی واقفیت نہیں، تیسرا راستہ اب وادی نعمان اور میل سے گزر کر موٹر میں طے ہوتا ہے اور ڈاک کی موٹر اس ستر پچھتر میل کی مسافت کو تین چار گھنٹوں میں طے کر لیتی ہے، اور ہموار چوڑی وادیوں میں شاید ہی کہیں دشوار گزار راستہ آتا ہو۔

خود طائف میں قدیم زمانے میں قبیلہ وار محلے تھے اور ایک دوسرے سے فرلانگ ڈو فرلانگ میل دو میل کے فاصلے پر، اور ہر محلے کے ساتھ زراعت اور باغبانی کے الگ انتظامات تھے۔ ایسے بہت سے

1500?

محلے اب کھنڈر نظر آتے ہیں مگر بعض قدیم محلّے اب بھی باقی ہیں اور وادیٔ وجّ سے سیراب ہوتے ہیں جو تقریباً نصف دائرہ بناتی ہوئی گزرتی اور بارش کے سوا اور دنوں میں خشک ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کسی بند کا آس پاس انتظام نہیں ہے۔ پانی کے چشمے البتہ موجود ہیں اور انہیں سے کاریز (زمین دوز نہریں) نکال کر باغوں کو سیراب کیا جاتا ہے۔

قدیم زمانے میں بعض ایرانی انجینیرڈوں کی مدد[1] سے آبادی کا ایک محفوظ اور سطح حصہ دیکھ کر ایک فصیل کے ذریعے سے قلعہ بند کر لیا گیا تھا اور اسی حصّے کو "طائف" گھیرا کہتے تھے۔ ورنہ پوری آبادی وَجّ کہلاتی تھی۔ مقامی روایات کے مطابق لات اور عزّیٰ کے بت خانے بھی اسی "گھیرے" کے اندر تھے ایک کی جگہ آج کل سرکاری ہوٹل یا مہمان خانہ بنا ہوا ہے۔ اور دوسرے کی جگہ ایک بڑا سا خانگی گھر۔ موجودہ فصیل ترکی دور کی یادگار ہے۔ لیکن اس کا کم از کم کچھ حصّہ ضرور قدیم "گھیرے" ہی کی جگہ ہے کیونکہ شہداء محاصرۂ طائف کی قبریں مسجد ابن عباس سے متصل فصیل کے عین نیچے ہی اب تک موجود ہیں۔ اور وہیں حضرت ثابت (کاتب وحی و میر منشیٔ دربار رسالت) بھی آرام فرما رہے ہیں اور بقول ابن ہشام (ص ۸۷۲) اسی مسجد کے پاس اسلامی پڑاؤ تھا۔ کسی قلعے کا محاصرہ کرنا طائف میں اسلامی فوجوں کے لئے ایک نیا

---

[1] کتاب الاغانی ج ۱۲ ص ۴۸ تا ۴۹

تجربہ[1] تھا اور ظاہر ہے کہ صحرانشین خانہ بدوش بدوی جمیعتوں کے مقابلے کے لئے جو اصول جنگ کام آتے ہیں۔ وہ بہت کچھ بے کار تھے۔ اسی لئے آنحضرت نے منجنیق، دبابے اور عرادے اور اسی طرح کے قلعہ شکن آلات استعمال فرمائے[1] اور پھر معاشی دباؤ ڈالنے کے لئے بیرون قلعہ ان کے باغوں کو تباہ کردینے کی دھمکی دی[2] مگر چونکہ رحمت للعالمین اور نبی کا منشا وہ نہیں ہو سکتا تھا۔ جو عام فاتحوں کا کہ حریف کو ہر طرح نقصان پہنچائیں اس لئے اہل طائف کی التجا پر باغوں کی مزید قطع و برید روک دی گئی۔

دوسری تدبیر یہ اختیار فرمائی کہ اعلان فرمایا کہ دشمن کے ملک کا جو غلام بھاگ کر آکر اسلام قبول کرلے۔ وہ آزاد سمجھا جائے گا۔ جو نقشہ اسلامی میں داخل ہو چکا ہے، رنگ لائے بغیر نہ رہا[3]

ایک اور انتظام یہ فرمایا گیا کہ محاصرے کے لئے منجنیق اور دبابوں وغیرہ کے بنانے اور چلانے کی تربیت حاصل کرنے کے لئے چند قابل کاریگروں کو جرش نامی مقام پر روانہ فرمایا[4]۔ یہ طائف کے جنوب میں کچھ فاصلے پر تھا نہ کہ عرب کے شمال میں جیسا کہ شبلی مرحوم نے سیرت النبی[5] میں لکھا ہے۔ عرب کے شمال میں جو اس کا

---

[1] ابن ہشام ص ۸۷۲ یا طبری ۱۶۷۲ [2] ابن ہشام ص ۸۷۳ [3] ابن ہشام ص ۸۷۴، [4] ابن ہشام ص ۸۶۹ ابن سعد ج ۱/۲ ص ۵۲۰ [5] سیرت النبی (طبع دوم) جلد ۲ ص ۷۷۔

ہمنام شہر تھا اس سے سیرت النبی صلعم کے کسی خاص اہم واقعہ کو کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ اس مقام (جُرش)، پر جو طائف ہی کی طرح ایک فصیل دار اور محفوظ شہر تھا[1] یہودیوں کی خاصی آبادی تھی جیسا کہ خود طائف میں بھی تھی[2] اور غالباً ان آلات کی صنعت انہی یہودیوں میں تھی۔ جیسا کہ خیبر کے یہود میں بھی نظر آتی ہے (مغازی الواقدی، ورق ۱۵۱)

ایک اور انتظام واقدی (ورق ۲۰۸ ب) کے مطابق فصیل کے اطراف کانٹے بکھیر دینا تھا۔ (ونثر رسول اللّٰہ الحسك سعن حسك من عیدان حول حصنهم)

اہل طائف کو غالباً اس طرح محصور ہونے کا اس سے پہلے بارہا تجربہ ہوا ہو گا۔ وہ اس کی مدافعت کی تدبیروں سے اچھی طرح واقف معلوم ہوتے تھے منجنیق سے انہیں کوئی خاص نقصان نہ پہنچا اور دبابے میں بیٹھ کر فصیل شکنی کو انھوں نے دہکتی ہوئی فولادی تیخوں سے دبابوں پر منڈھے ہوئے چمڑے کو جلا کر اور عام لوگوں کو تیر اندازی کا نشانہ بنا کر قریب آنے سے کامیاب طور پر روکا[3] شہر میں کھانے پینے کی کمی نہیں معلوم ہوتی تھی۔

غرض ان مختلف وجوہ سے آنحضرت نے محاصرہ اٹھا لیا اور واپس

---

[1] ابن ہشام ص ۹۵۴ [2] فتوح البلدان للبلاذری ص۵۶
[3] ابن ہشام ص۸۷۳

ہو گئے جعرانہ پہنچ کر ہوازن سے اوطاس میں لوٹے ہوئے مال غنیمت کی تقسیم کی[۱] اور کچھ دن بعد اہل ہوازن کے وفد کے آنے پر ان کے تمام بیوی بچوں کو واپس فرما دیا[۲] اور اس طرح طائف کو اس کے سب سے بڑے مددگار سے بچھڑا دیا اور طائف کے چاروں طرف اسلامی اثرات جو کافی تھے روز بروز بڑھتے ہی چلے گئے اور محاصرے میں کامیاب مدافعت کے باوجود سال چھ ماہ کے اندر ہی انہوں نے اپنا وفد مدینہ بھیجا اور لات و عزیٰ کو توڑ کر خدائے واحد کے پرستار بن گئے[۳]

---

[۱] ابن ہشام ص ۸۷۶ و مابعد [۲] ابن ہشام ص ۸۷۷ و مابعد
[۳] ابن ہشام ص ۹۱۴ و مابعد۔

یہودیوں کی لڑائیاں

پہلی لڑائی بنو قینقاع سے ہوئی یہ لوگ مدینے میں اسلامی آبادی کے اندر ہی رہتے تھے اور سنار کا کام کرتے تھے اور آنحضرت کے حکم پر جان بچی لاکھوں پائے کہتے ہوئے شہر چھوڑ کر چلے گئے تھے[1] اور اس اخراج کی نگرانی کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بقول طبری (ص۱۲۶۱) ایک خاص نسر مقرر فرمایا تھا نیز انکے محلے کے محاصرے کے دوران میں اسلامی محلوں میں نائب بھی چھوڑا تھا۔ اس کے بعد بنو النضیر سے جنگ اُحد کے بعد جھگڑا ہو گیا اور آنحضرت نے ان کے محلے کا محاصرہ کر لیا۔

جیسا کہ اوپر دیکھا گیا ہوگا، مدینے کے محلوں کی صورت یہ تھی کہ چند مکان ہوتے تھے۔ جن میں حسب ضرورت و مقدرت گڑھیاں اور قصر ہوتے تھے اور یہ سب لاوے کے پتھر سے تعمیر ہوتے تھے۔ ان سے قریب ہی باغ اور نخلستان تھے جو ان کی بسر برد کا کافی بڑا ذریعہ تھے۔

بنو النضیر کا محلہ حرّہ شرقیہ میں مسجد نبوی کے جنوب مشرق میں تھا (نقشہ[2]) اور انکے اور بنو قریظہ کے محلے میں عوالی کے باغ حد فاصل تھے۔ ان لوگوں کی تعداد بظاہر دو ڈھائی ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ مورخ لکھتے ہیں کہ ان کا

---

[1] ابن ہشام ۶۷۵ [2] سیرۃ شامی پر موقع۔

محاصرہ کرتے ہوئے آنحضرت نے اپنا پڑاؤ ایسی جگہ ڈالا کہ انہیں بنو قریظہ سے مدد کی توقع نہ رہی، چنانچہ وہاں مسجد شمس جسے مسجد الفضیخ بھی کہتے ہیں اب تک اس کی یادگار ہے۔ دوسری ایک تفصیل جس کا قرآن میں بھی اشارۃً ذکر ہے، وہ یہ ہے کہ تیراندازی وغیرہ جن کی ضرورتوں سے ان کے باغوں سے بعض کھجور کے درخت بھی کاٹنے پڑے تھے، جس سے مدینہ کی گڑھیوں کی حفاظت کے سامان کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

اس لڑائی کی اس سے زیادہ اور تفصیلیں معلوم نہیں سوائے اس کے کہ محاصرے سے تنگ آکر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور سامان ساتھ لیکر مدینہ چھوڑ کر کہیں اور جا بسنے پر آمادہ ہو گئے۔ چند شام گئے اور اکثر خیبر چلے گئے[1] بنو قینقاع کی بستی تو آج کل محض میدان ہے، البتہ بنو النضیر کی بستی میں کعب بن الاشرف کا قلعہ اب تک کھنڈر ہی سہی نظر آتا ہے اور زمانۂ جاہلیت کی عربی تعمیر کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ بنو النضیر کی بستی کے جنوب میں حرۂ شرقی میں وادیٔ مذینب کے قریب ایک چھوٹا سا ٹیلہ ہے۔ اس پر قصر کعب بن الاشرف کی دیواریں تقریباً گز سوا گز اونچی اب تک کھڑی ہوئی ہیں۔ قصر کے اندر اندر ہی ایک کنواں ہے جو ظاہر ہے کہ محاصرے میں کام آتا ہوگا۔ ٹیلے کے دامن میں اور قصر سے متصل ایک بڑے پختہ گچ اور پتھر سے بنے ہوئے حوض کے اب تک آثار باقی ہیں۔ جس میں پانی کو ایک چشمے سے دوسرے میں گذارنے

---

[1] ابن ہشام ص ۶۵۳، طبری ص ۱۴۵۲ کے مطابق وہ گاتے بجاتے دھوم دھام سے نکلے۔

کے لئے پکّی مٹی کے نل بھی اب تک نظر آتے ہیں۔

بنو قریظہ کے محاصرے کے حربیاتی حالات ہمیں اس سے بھی کم معلوم ہیں سوائے اس کے کہ ان کے مال غنیمت سے شام اور نجد میں اسلحہ اور گھوڑے خریدے گئے (سیرۃ الشامی) خیبر کا تذکرہ بہت دلچسپ ہو سکتا لیکن باوجود کوشش کے مجھے خیبر جانے کا موقع نہ مل سکا۔ اس لئے اس کا تذکرہ کسی آئندہ فرصت کے لئے اٹھا رکھنا پڑتا ہے۔ یہی حال مؤتہ اور تبوک کا ہے اور تمنا ہے کہ جلد ان پر بھی کچھ کام کیا جا سکے۔

یہودیوں کی جنگ کے سلسلے میں امام محمد الشیبانی[۱] اور غالباً انہیں کی بنیاد پر السرخسی[۲] نے (المبسوط میں) لکھا ہے کہ بنو قریظہ کی جنگ میں آنحضرتؐ کو بنو قینقاع نے مدد دی۔ یہ بیان عجیب سا ہے کہ کیونکہ بنو قینقاع بدر کی لڑائی کے بعد ہی مدینے سے نکال دیئے گئے تھے[۳] اگر یہ بیان جو الشیبانی وغیرہ نے لکھا ہے۔ صحیح ہے تو اس کے معنے غالباً یہی ہوں گے کہ بنو قینقاع کو جو سزا دی گئی وہ اس بڑے قبیلے کے صرف چند خاندانوں کی حد تک محدود ہو گی کیونکہ جس قصور پر وہ فیصلہ کیا گیا تھا اس کے ذمہ دار بھی چند ہی گھرانے تھے[۴]

سیرۃ الشامی جنگ خیبر کے سلسلے میں لکھا ہے کہ وہاں ایک قلعے سے زمین دوز راستے کا پتہ آنحضرت کو ایک یہودی ہی نے[۵] دیا۔ واقدی نے لکھا ہے۔

---

[۱] کتاب الاصل باب السیر مخطوطات استانبول [۲] المبسوط ج۱۰ ص ۲۳ [۳] ابن ہشام ص ۵۴۶ [۴] ابن ہشام ص ۵۴۵ [۵] حصن الزبیر کے حالات سیرۃ شامی میں۔

کہ خیبر کے محصور قلعوں سے یہودی مسلمانوں پر منجنیق سے پتھر پھینکا کرتے تھے[1] غالباً اسی مہم ہی کے مال غنیمت سے دوسرے سال طائف کے محاصرے میں آنحضرت صلعم نے منجنیق اور دبابے وغیرہ استعمال کئے اور نئے بنانے کی طرف متوجہ ہوئے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

یہودیوں کے سلسلے میں ایک تیسرا واقعہ جنگی ضروریات کے لیے سرمائے کا ہے۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ سیرۃ الشامی میں غزوۂ سویق کے ذکر میں ضمناً بیان ہوا ہے۔

سلام بن مشکم وکان سید بنی النضیر فی زمانہ وصاحب کنزھم . . . یعنی بالکنز ھنا المال الذی کانوا یجمعونہ لنوا ئبھم وما یعرض لھم۔	سلام بن مشکم اپنے زمانے میں بنو النضیر کا سردار اور ان کا محافظ خزانہ تھا۔ خزانے سے مراد یہاں وہ مال ہے جسے وہ مصائب اور اتفاقی ضرورتوں کے لئے جمع کیا کرتے تھے۔

اس قبیلہ واری سرمائے کا ذکر خیبر کے سلسلے میں بھی مکرر آتا ہے اور طبری نے ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ کنانہ بن الربیع بن أبی الحقیق کے پاس مدینے کے جلاوطن نضیریوں کا خزانہ تھا۔ بعض اور روایتوں میں ہے جب اس سے آنحضرت نے مال کا پتہ پوچھا تو اس نے کہا کہ لڑائیوں میں خرچ ہو گیا۔ مگر بعد میں وہ مال ایک کھنڈر میں گرا ہوا مل گیا۔ اس کی چغلی بھی ایک یہودی نے کھائی تھی (ابن ہشام ص ۷۶۳)

---

[1] مغازی واقدی ورق ص ۱۵۱

کتابیات

۱۔ سیرت ابن ہشام
۲۔ سیرۃ الشامی (مخطوطہ قرو یین، فاس، مراکش)
۳۔ تاریخ الطبری
۴۔ تفسیر الطبری
۵۔ البدایہ والنہایہ لابن کثیر
۶۔ طبقات ابن سعد
۷۔ وفاء الوفار للسمہودی
۸۔ مغازی الواقدی (مخطوطہ برٹش میوزیم)
۹۔ مرأۃ الحرمین لاحمد رفعت باشا (۲ جلد)
۱۰۔ نظام الحکومۃ النبویہ المسمی التراتیب الاداریہ للکتانی (۲ جلد)
۱۱۔ الاستیعاب لابن عبدالبر
۱۲۔ الاصابہ لابن حجر
۱۳۔ التنبیہ والاشراف للمسعودی
۱۴۔ الوثائق السیاسیہ لعہد النبی والخلافۃ الراشدۃ لمحمد حمید اللہ (قاہرہ ۱۹۵۶ء)

۱۵۔ قرآنی تصورِ مملکت (قرآنک ورلڈ، اپریل ۱۹۳۶ء) (انگریزی) (نیز معارف اعظم گڑھ دسمبر ۱۹۴۱ء)

۱۶۔ شہری مملکت "مکہ" (اسلامک کلچر، جولائی ۱۹۳۸ء) (انگریزی) (نیز معارف اعظم گڑھ، جنوری، فروری ۱۹۴۲ء)

۱۷۔ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور (مجلہ طیلسانین، جولائی ۱۹۳۹ء نیز اسلامک ریویو، ووکنگ آگست تا نومبر ۱۹۴۱ء)

۱۸۔ سرورِ کائنات کی حکومت (مجلہ جامعہ مارچ۔اپریل ۱۹۳۱ء)

۱۹۔ عربوں اور بیزنطینیوں کے تعلقات (مجموعۂ تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ سال نامہ سوم)

۲۰۔ عربی حبشی تعلقات اور نو دستیاب شدہ مکتوب نبوی بنام نجاشی (مجلۂ نظامیہ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ)

۲۱۔ عہدِ نبوی کے عربی ایرانی تعلقات (معارف جولائی ۱۹۴۲ء)

۲۲۔ عدل گستری ابتدائے اسلام میں (مجلۂ عثمانیہ، مارچ ۱۹۳۸ء) نیز معارف اعظم گڑھ۔ جولائی ۱۹۴۲ء)

۲۳۔ تجارت کا تعلق آنحضرت اور خلفائے راشدین سے (تجلی حیدرآباد اردی بہشت ۱۳۳۶ف)

۲۴۔ عہدِ نبوی کا نظام تعلیم (اسلامک کلچر جنوری ۱۹۳۹ء) (انگریزی) (نیز معارف اعظم گڑھ نومبر ۱۹۴۱ء)

۲۵۔ عہدِ نبوی کی سیاست خارجہ کے بعض اصول (تالیف قلمی) (مجلۂ

نظامیہ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ)

۲۶- عہد نبویؐ کی سیاست کاری کے اصول (سیاست جنوری ۱۹۴۰ء)

۲۷- ہجرت (یا نو آبادکاری (سیاست جولائی ۱۹۴۰ء)

۲۸- آنحضرتؐ کا خط قیصر روم کے نام (معارف جون ۱۹۳۵ء)

۲۹- مکتوبات نبویؐ کے دو اصول (مجلۂ عثمانیہ جون ۱۹۳۶ء)

۳۰- فتح مکہ نمبر (رہبر دکن - ۲۲ رمضان ۱۳۵۸ھ)

۳۱- مدینہ منورہ کے چند عربی کتبے (اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۴۱ء) انگریزی)

۳۲- رسول کریم کی سیرت کا کیوں مطالعہ کیا جائے۔ (تالیف محمد حمید اللہ)

۳۳- اسلامی سیاست خارجہ عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں۔ از محمد حمید اللہ (مطبوعہ پیرس ۱۹۳۹ء) فرنچ)

۳۴- عہد نبوی کے میدان جنگ رسالہ R.E.I پیرس جنوری ۱۹۳۹ء فرنچ

۳۵- غیر جانبداری اسلامی قانون بین الممالک میں (Z D M G) برلن جرمنی ۱۹۳۵ء (جرمن)

۳۶- آثار المدینۃ المنورۃ، لعبد القدوس الہاشمی المدنی۔

تجلیاتِ مدینہ

علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وتحیۃ

مدینہ منورہ کی تاریخ، فضائل ومناقب اور انوار و برکات
سے متعلق دلچسپ دینی معلومات کی ایمان افروز کتاب

مُرتّبہ

الحاج مولانا محمد احتشام الحسن صاحب کاندھلوی

ناشر

قیمت

ادارۂ اسلامیات

۱۹۰- انارکلی ○ لاہور

نظرِ رابع اور جدید و قدیم اضافوں کے بعد "اشرف المناسک" کا نیا ایڈیشن

مُعلّمِ الحُجّاج

یعنی

مسائل حج اور ضروریات سفر سے واقف بنانے والی سب سے مستند، عام فہم اور مقبولِ عام کتاب جس میں حج و عمرہ کا مکمل طریقہ اور اُن سے متعلق پیش آنے والے تمام مسائل کو یکجا جمع کر دیا گیا ہے ــــ

تألیف

حضرت مولانا مفتی سعید احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مفتی مظاہر العلوم سہارنپور

مع حاشیہ از حضرت مولانا قاری بشیر محمد سندھی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

ادارۂ اسلامیات

۱۹۰ - انارکلی ○ لاہور

ادارۂ اسلامیات

پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

★ دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون ۷۳۲۴۴۱۲ فیکس ۷۳۲۴۷۸۵-۴۲-۹۲

★ ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان
فون ۷۳۵۳۲۵۵ - ۷۲۳۳۹۹۱

★ اردو بازار، موہن روڈ
چوک اردو بازار، کراچی فون ۷۷۲۲۴۰۱

E mail:islamiat @ lcci.org. pk.